پیامِ امامِ اہلِ سنت مجددِ ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ العزیز

جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء / ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ تا محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کوئی بھی بات سُنّتِ رسولِ اکرم ﷺ سے ہٹ کر نہیں کہتے۔ وہ ہر بات کی توضیح قرآن و سُنّت کی روشنی میں کرتے ہیں۔ حُبِّ رسول ﷺ کے سہارے قدم اٹھاتے ہیں اور یہی درس عام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ ماضی سے اپنا تعلق استوار رکھتے ہیں اور سلف صالحین و اکابرین اسلام کی آراء کو قدر و منزلت سے دیکھتے ہیں۔ وہ جہاں کہیں بھی حُبِّ رسول ﷺ میں کمی پاتے ہیں بھڑک جاتے ہیں۔ فاضل بریلوی نے اپنے ابتدائی ایام کے دوران ایک ایسی تحریک کو اُبھرتے ہوئے دیکھا جو حُبِّ مصطفےٰ ﷺ سے جاری شدہ دھارے کی راہ مسدود کر رہی تھی۔ لہٰذا وہ اُس تحریک کے آگے سینہ سپر ہو گئے۔ آج وہی جذبۂ ایثار "بریلوی مسلک" کے نام سے معروف ہے۔

عبدالعزیز عرفی ایڈوکیٹ سپریم کورٹ (پاکستان)

R.N.I. REGISTRATION NO. : 71248/99

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار

سہ ماہی ممبئی

افکارِ رضا

جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء
جلد ۱۰ شمارہ ۱ (۳۵)
ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ تا محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

مدیر: محمد زبیر قادری
منیجر: محمد اسحٰق برکاتی

Distributed in Pakistan By :
Markazi Majlis-e-Riza
P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :
THE ISLAMIC TIMES
C/o. 138, Northgate Road,
Edgeley, Stockport, SK3 9NL
ENGLAND

Distributed in Australia By :
SHEHZAD ALI
P.O. Box: 51, Lurnea 2170,
NSW, AUSTRALIA

فہرست

رابطہ کا پتہ:
تحریکِ فکرِ رضا

Correspondence Address;
Tehreek-e-Fikr-e-Reza
167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008.

آفس کا پتہ:
Office Address:
95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008 India Tel: 5600 8260
Website: www.fikreraza.net Email: editor@fikreraza..net

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400008 سے چھپوا کر دفتر 167، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400 سے شائع کیا۔

اداریہ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

حیاتِ اعلیٰ حضرت کی کہانی

آخر خدا خدا کر کے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' مصنفہ ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ' اپنی تصنیف کے ستر ۷۰ سال بعد شائع ہو کر منظر عام پر آ ہی گئی۔ اسے ہماری جماعت کا المیہ کہیں، بے حسی کہیں یا کیا کہ ابھی تک ہم اپنے مرکز و محور عقیدت، امامِ اہلِ سُنّت مجدد دین و ملت امام احمد رضا رضی المولیٰ عنہ کی ایک مکمل، مفصل، مستند اور مبسوط ''سوانح حیات'' لکھ کر شائع نہ کر سکے۔ یوں تو مختلف سوانح لکھی اور چھپی ہیں' اس کے علاوہ ریسرچ اسکالر حضرات بھی امام احمد رضا کی حیات و خدمات سے متعلق نت نئے گوشے منظر عام پر لا رہے ہیں۔ لیکن وہ سب محدود اور مخصوص نوعیت کے مضامین کا احاطہ کرتے ہیں۔ حیرت ہے۔ ستر سال قبل جو سوانح حیات لکھی اور مرتب کی گئی، جس کے مستند ہونے میں اس لیے شبہ نہیں رہ جاتا کہ وہ ایسے شخص نے لکھی جس نے اعلیٰ حضرت کی رفاقت میں زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا، جو اُن کے شاگرد بھی تھے اور خلیفہ بھی، اُسے ہی شائع نہ کیا جا سکا۔ جبکہ کسی اور کی سوانح شائع کرنا اتنا ضروری نہیں تھا جتنا کہ ملک العلما کی ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کی اشاعت۔

''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' نہیں چھپنا تھا تو کہیں سے نہیں چھپی اور جب اشاعت ہوئی تو ہندوستان و پاکستان دونوں جگہ سے بیک وقت شائع ہوگئی۔ لیکن افسوس یہ ہوا کہ دونوں ہی ایڈیشن نامکمل اور ادھورے ہیں۔ اصل ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ جبکہ ہند و پاک دونوں جگہ سے تین حصوں پر مشتمل شائع ہوئی ہے۔ ہندوستانی ایڈیشن کی کہانی یہ ہے کہ ہندوستانی ایڈیشن کے مرتبین نے اصل نسخے کی جلد نمبر ۱، ۲ اور ۴ کو نہایت محنت و مشقت کے بعد جدید ترتیب سے سنوارا اور ساتھ ہی اس میں ردّ و بدل بھی کیا گیا ہے۔ جن واقعات کی صحت کے بارے میں شبہ تھا انہیں حذف کر دیا گیا۔

جبکہ پاکستانی ایڈیشن اصل نسخے کی جلد نمبر ۱، ۳ اور ۴ کے مسودے کو من و عن شائع کیا گیا ہے۔ پاکستانی نسخہ کی اشاعت حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب (مالک مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور) نے کی۔ انہیں اس کا خطی نسخہ مصنفِ کتاب حضرت ملک العلما کے فرزندِ ارجمند ڈاکٹر مختار الدین احمد، سابق رئیس شعبۂ عربی مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے اشاعت کے لیے عطا کیا۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے فوراً اس کی اشاعت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب انہیں اس بات کا علم ہوا کہ ہندوستان میں بھی یہ کتاب جلد ہی منظر عام پر آ رہی ہے اور یہاں والوں کے پاس ۱، ۲ اور ۴ جلدیں موجود ہیں تو انہوں نے راقم (محمد زبیر قادری) کو خط اور فون کے ذریعے خصوصی ہدایت دی کہ آپ اس کے ناشر جناب

محمد سعید نوری (بانی رضا اکیڈمی) کے پاس جائیں اور اُن سے دوسری جلد حاصل کر کے کسی طرح بھی ہمیں بھجوا دیں۔ ہماری کتاب تکمیل کے عین مراحل میں ہے۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''مفتی مطیع الرحمٰن، پٹنہ نے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' از ظفرالدین بہاری مکمل کرا کر محمد سعید نوری صاحب کو بھیج دی ہے۔ ادھر میں پاکستان میں یہ مکمل کتاب چھپوا رہا ہوں۔ مگر مجھے جلد دوّم کا مسودہ نہیں مل رہا۔ آپ نوری صاحب کی خدمت میں خود جا کر جلد دوّم کا کمپوز مسودہ فوٹو آفسیٹ کر کے مجھے بھجوا دیں تاکہ یہ جلد بھی شریک اشاعت ہو سکے۔ .... یہاں تین جلدیں کمپوز ہو چکی ہیں۔''

اس سلسلے میں جب میں نے جناب محمد سعید نوری صاحب تک ان کی یہ درخواست پہنچائی تو انہوں نے مجھے اُس کتاب کی کتابت شدہ کاپیاں دکھائیں جو کہ شائع ہونے جا رہی تھیں، اور یہ بتایا کہ اصل کتاب از سر نو ترتیب دیکر تشکیل دی گئی ہے۔ اب اس میں سے انہیں دوسری جلد کیسے نکال کر دی جائے۔ اگر اس کی دوسری جلد بھجواتے ہیں تو وہ اُن کے کسی کام نہیں آئے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد ہی بھیج دی جائے جو کہ جلد ہی ہو جائے گی۔...... لیکن فاروقی صاحب مارکیٹ کے رجحان سے واقف ہیں کہ اگر وہ اپنی اشاعت کو مؤخر کر کے ہندوستانی نسخے کی آمد کا انتظار کرتے ہیں تو ان سے پہلے ہی کوئی دوسرا اسے شائع کر دے گا اور اُن کی ساری محنت اکارت جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے عجلت میں جو ملا شائع کر دیا۔ اس سے کیا مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں انہوں نے غور کرنے کی شاید کوشش ہی نہیں کی۔ بہر حال اگر تھوڑا اور انتظار کر لیا جاتا اور آپس میں تال میل سے کام لیا جاتا تو آج مکمل ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' منظر عام پر ہوتی۔

اب ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کی دو مختلف کاپیاں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ کس کو مستند مانا جائے؟ یہ بات عام قاری تو کیا محققین حضرات کے لیے بھی پریشانی کا باعث ہے۔ کراچی سے عارف جامی صاحب جو جدّ الممتار پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں انہوں نے ابتدا ہی میں تشویش کا اظہار کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ غیر الگ ہماری کوتاہیوں کا مذاق اُڑائیں گے۔ معترضین کو بھی اعتراض کرنے کا نیا ہتھیار مل گیا ہے۔ آخر ہر معاملے میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کوئی بھی کام منظم طریقہ پر کس طرح کیا جائے اس کا شعور کب بیدار ہوگا؟ آج بین الاقوامی سطح پر میڈیا کا غلط استعمال کر کے دنیا کو کیا سے کیا مزاج دیا جا رہا ہے اور ہم مثبت طریقہ پر محدود دائرے میں اپنی بات اپنوں تک ہی صحیح نہیں پہنچا سکتے؟ تعجب سے زیادہ افسوس کا مقام ہے۔ ہمارے علما، شیوخ، دانش ور اور مفکرین حضرات فکر کریں اور رہنمائی کریں کہ سوادِ اعظم کا وقار کس طرح بحال کیا جائے۔ کیا ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' صرف ایک نعرہ ہے اسٹیجوں پر لگانے کے لیے یا عملی زندگی میں اس کا نفاذ ہونا چاہیے؟ ☆☆☆☆☆

ترجمۂ کنز الایمان کا لسانی جائزہ

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی، سیف خان سرائے، سنبھل، ضلع مراد آباد یو۔پی

سورۂ سبا

آیت ۱۰: جناب علامہ محمود الحسن نے اس آیت کا یہ ترجمہ درج مصحف فرمایا۔

''اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی اے پہاڑ و خوش آوازی سے پڑھو اُس کے ساتھ اور اڑتے جانوروں کو اور نرم کر دیا ہم نے اُس کے آگے لوہا''

اس ترجمے میں خط کشیدہ الفاظ (اور اڑتے جانوروں کو) ترجمے سے بالکل میل نہیں کھاتے۔ اڑتے جانوروں کو کوئی حکم دیا گیا ہے، اُن کی کسی حالت کا بیان کیا گیا ہے یا پہاڑوں سے کہا گیا ہے کہ اڑتے جانوروں کو پڑھو (اگرچہ یہ بات مہمل ہے) کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ بار بار پڑھ کر دیکھ لیجئے سیاق آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اگر لفظ ''کو'' نہیں ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ اُڑتے جانوروں کو بھی تسبیح پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے مگر لفظ ''کو'' نے سارا مطلب ضبط کر دیا۔ اس سے بہتر تو شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے جس کی علامہ نے اصلاح کے نام پر تخریب کی ہے شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی اے پہاڑ و رجوع سے پڑھو اُس کے ساتھ اور اُڑتے جانور اور نرم کر دیا ہم نے اُس کے آگے لوہا''

اس ترجمے سے کچھ بات تو سمجھ میں آتی ہے یعنی اے پہاڑ و تم بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھو اور چڑیو (تم بھی پڑھو) اور ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا ہے۔

جناب علامہ کے اندازِ بیان سے یہ مفہوم تو کجا کوئی مفہوم نکالا ہی نہیں جاسکتا۔ امام احمد رضا نے اس طرح فی البدیہہ ترجمہ لکھایا۔

''اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا اے پہاڑ و اُس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا''

یعنی پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العزت کی طرف رجوع کریں۔

آیت ۱۲: اس کے ایک جز کا ترجمہ جناب علامہ نے اس طرح پیش فرمایا۔

''اور سلیمان کے آگے ہوا کو''

واضح ہو کہ یہ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ کا ترجمہ ہے۔

غور کرنے کی جا ہے کہ جناب علامہ نے ترجمہ کیا ہے یا معنی لکھے ہیں اس سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ پوری آیت کا ترجمہ بخوف طوالت نقل نہیں کیا مگر اُس میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے پوری بات سمجھ میں آئے۔ وجہ یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے یہاں بھی یہ بات صاف نہیں ہے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور سلیمان کے آگے ہوا"

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یہ ترجمہ ارشاد فرمایا

"اور سلیمان کے بس میں ہوا کردی"

اس ترجمے سے مطلب بہت صاف اور واضح ہوگیا۔

آیت ۱۳: جناب علامہ نے آیت کے ایک حصے کا ترجمہ اس طرح نقل فرمایا۔

"بناتے اُس کے واسطے جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی کام کرواے داؤد کے گھر والو احسان مان کر"

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے ایک دو لفظ کی تبدیلی کے علاوہ امام احمد رضا نے اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

"اُس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں اے داؤد والو شکر کرو"

بہتر ہو کہ دونوں ترجموں کے ہر ہر فقرے کا موازنہ کیا جائے تا کہ صورت حال کا اندازہ ہو۔

علامہ محمود الحسن صاحب	امام احمد رضا صاحب
بناتے اُس کے واسطے	اُس کے لیے بناتے
جو کچھ چاہتا	جو وہ چاہتا
قلعے اور تصویریں	اونچے اونچے محل اور تصویریں
اور لگن جیسے تالاب	اور بڑے حوضوں کے برابر لگن
اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی	اور لنگر دار دیگیں
کام کروائے داؤد کے گھر والو احسان مان کر	اے داؤد والو شکر کرو

دونوں ترجمے زبان حال سے اصلیت بیان کررہے ہیں۔ تبصرے کی ضرورت نہیں چاہیے تو یہ تھا کہ پورے کنزالایمان کا اسی طرح موازنہ ہوتا مگر وقت کی کمی کے باعث اس طریقے کو نظر انداز کرنا پڑا۔

آیت ۴۸: جناب علامہ نے اس آیت کے ترجمے میں یوں گل افشانی فرمائی۔

''تو کہہ میرا رب پھینک رہا ہے سچا دین اور وہ جانتا ہے چھپی چیزیں''

جناب علامہ کی دین پھینکنے سے کیا مراد ہے یہ وہی جانیں۔ پھینکنے کے معنی برباد کرنا بھی ہیں، خود سے الگ کرنا بھی ہیں۔ گرانا بھی ہیں اور بُرا جاننا بھی اور بھی متعدد معنی ہیں۔ معلوم نہیں جناب علامہ نے کیا معنی مراد لیے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ علامہ صاحب کو کسی معنی سے مطلب ہی نہیں تھا انہوں نے تو شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو بغیر سمجھے نقل کردیا۔ شاہ صاحب نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

''تو کہہ میرا رب پھینکتا جاتا ہے سچا دین وہ جاننے والا ہے چھپی چیزیں''

غالباً اردو زبان کی بے مائگی کے زمانے میں شاہ صاحب کے ذہن میں کوئی مناسب لفظ نہیں آیا۔ یہ بھی ممکن ہے اُن کے عہد میں ''پھینکنا'' کے کچھ اور معنی بھی ہوں گے۔ مگر علامہ کو تو یہ لفظ نہیں لکھنا چاہیے تھا۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ ارشاد فرمایا۔

''تم فرماؤ بے شک میرا رب حق کا القا فرماتا ہے بہت جاننے والا سب غیبوں کا''

آیت ۴۹: جناب علامہ نے اس آیت کا ترجمہ اپنے مصحف کے اندر بین السطور میں اس طرح درج فرمایا۔

''تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ تو نہ کسی چیز کو پیدا کرے اور نہ پھر کر لوٹے''

قرآن کریم کا بڑا حصہ دیکھنے کے بعد اس آیت کا ترجمہ ایسا ملا ہے جس میں جناب علامہ نے آنکھیں بند کر کے شاہ صاحب کا ترجمہ نقل نہیں فرمایا۔ شاہ صاحب کے مقابلے میں بہتر اور صاف بھی ہے (ہوسکتا ہے کوئی دوسرا ترجمہ پیش نظر رہا ہو) پھر بھی امام احمد رضا کا ترجمہ اس ترجمے کے مقابلے میں بہت بہتر بہت اعلیٰ اور بہت بلند ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

''تم فرماؤ حق آیا اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر کر آئے''

سورۂ فاطر

آیت ۱: جناب علامہ محمود الحسن آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح مرحمت فرماتے ہیں۔

''سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین''

شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا۔

''سب خوبی اللہ کو جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین''

''خوبی'' کی جگہ خوبیاں کا محل تھا۔ ''بنا نکالے'' شاہ عبدالقادر علیہ الرحمۃ کا روزمرہ تو ہوسکتا ہے جناب علامہ کے عہد کا نہیں اور اگر ہو بھی تو اہل علم کا تو ہرگز نہیں ہوسکتا ورنہ کسی اور نے بھی لکھا ہوتا؛ مگر

جب علامہ کو ایک ایک لفظ شاہ صاحب کے ترجمے سے نقل کرنا تھا تو وہ اس بارے میں کیوں سوچتے۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ مولانا امجد علی رضوی کو اس طرح املا کرایا۔

''سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا''

آیت ۸: جناب علامہ نے آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح درج مصحف فرمایا۔

''بھلا ایک شخص کہ بھلی بھائی گئی اُس کو اُس کے کام کی بُرائی پھر دیکھا اُس نے اس کو بھلا''

شاہ عبدالقادر صاحب نے آیت کے اس حصے کا ترجمہ اس طرح عنایت فرمایا تھا۔

''بھلا ایک شخص کو جو بھلی سجھائی اُس کی برائی پھر دیکھا اُس نے اُس کو بھلا''

بغیر کسی تبصرے کے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

''تو کیا وہ جس کی نگاہ میں اُس کا بُرا کام آراستہ کیا گیا کہ اُس نے اس کو بھلا سمجھا ہدایت والے کی طرح ہو جائے گا''

آیت ۱۳: جناب علامہ نے ایک جز کا ترجمہ یوں رقم فرمایا۔

''رات گھساتا ہے دن میں اور دن گھساتا ہے رات میں''

مضامین قرآن کو اگر کوئی سمجھ لے تو اُس کو خوف سے رونا آتا ہے اور قرآن سے محبت بڑھتی ہے۔ جو عربی زبان کا بڑا عالم نہ ہو وہ ترجمے سے ہی قرآن کو سمجھ سکتا ہے۔ مگر جناب علامہ کے اس ترجمے کو پڑھ کر قاری کو یا تو ہنسی آئے گی یا اس ترجمے کی زبان میں پہلوے ذم دیکھ کر کراہت ہوگی۔ ''گھساتا'' جیسا مکروہ لفظ شاہ عبدالقادر صاحب نے تحریر نہیں فرمایا تھا۔ یہ علامہ محمود الحسن صاحب کا اختراع ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ نے یوں ترجمہ ارشاد فرمایا تھا۔

''رات پیٹھاتا ہے دن میں اور دن پیٹھاتا ہے رات میں''

''پیٹھانا'' اب بھی کلی طور پر متروک نہیں ہے۔ جب سے ''گھس پیٹھ'' جیسا لفظ چلن میں آیا ہے بچے بھی اس کو سمجھنے لگے ہیں؟ مگر استعمال میں کم ہے۔ جناب علامہ کے عہد میں تو یقیناً اب سے زیادہ چلن میں رہا ہوگا۔ اگر علامہ کو یہ لفظ متروک بھی معلوم ہوا تو اس کی جگہ کوئی اچھا سا لفظ لے آتے کیونکہ ترجمہ عظمت والی کتاب کا تھا۔ مگر معلوم نہیں جناب علامہ کو ''گھساتا'' جیسا مکروہ اور ذم کے پہلو والا لفظ کس قدر عزیز تھا کہ ایک اچھے خاصے لفظ کی جگہ اس کو لے آئے اور ترجمے کو مذموم بنا دیا معلوم نہیں علی میاں صاحب نے اس ترجمے کی تعریف کرتے وقت یا اُس سے پہلے ترجمے کو پڑھا بھی تھا یا نہیں۔

امام احمد رضا نے فی الفور اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا تھا۔

''رات لاتا ہے دن کے حصے میں اور دن لاتا ہے رات کے حصے میں''

دیکھیے صرف الفاظ کے انتخاب نے ترجمے کو کتنا بلند و برتر کر دیا اور یہاں وہ عیب نہیں جو علامہ کے ترجمے میں ہے۔

آیت ۲۹: حضرت علامہ کے مصحف میں آیت کا ترجمہ اس طرح درج ہے۔

"جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارا دیا ہوا چُھپے اور کُھلے امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جس میں ٹوٹا نہ ہو"

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

"جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کیا کچھ ہمارا دیا چھپے اور کھلے ہمارے امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جو کچھ نہ ٹوٹے"

"نماز سیدھی کرنا" ہوسکتا ہے شاہ صاحب کے عہد میں زبان زد عام رہا ہو یا پھر ابتدائی دور کی زبان میں تنگی الفاظ کے باعث ان کو یہی ترجمہ سوجھا ہو۔ مگر جناب علامہ کے عہد میں نہ اس طرح بولا جاتا تھا نہ لکھا جاتا تھا اور زبان بھی اتنی تھی دامن نہیں تھی کہ اُس میں کوئی دوسرا مناسب لفظ نہ ملتا، مگر عرض کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ بس سوچ سوچ کر حیرت ہوتی ہے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا فوری طور پر املا کرایا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

"بے شک جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے اور ہمارے دیے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہرگز ٹوٹا نہیں"

آیت ۳۵: اس آیت کے تحت جناب علامہ کی گل افشانی نگارش حسب ذیل ہے۔

"جس نے اُتارا ہم کو آباد رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے نہ پہنچے ہم اُس میں مشقت اور نہ پہنچے ہم کو اُس میں تھکنا"

ترجمہ خواں کو پہلے "آباد رہنے کے گھر" کے معنی معلوم کرنا ہوں گے (جو کسی لغت میں نہیں ملیں گے) تب اس ترجمے کو تھوڑا بہت سمجھ سکے گا۔ پوری طرح ترجمہ سمجھنے کے لیے "نہ پہنچے تھکنا" کا مفہوم بھی جاننا ہوگا جس کے لیے ذہنی مشقت کرنی ہوگی۔ تب کہیں جا کر ترجمے کو سمجھا جاسکے گا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی اگرچہ یہی ترجمہ کیا تھا، مگر ان کا عہد دوسرا تھا۔ جناب علامہ نے اُن کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے صرف ایک لفظ 'آباد' کا اضافہ کیا ہے۔ شاہ صاحب نے "رہنے کے گھر میں" تحریر فرمایا تھا، جس کو جناب علامہ نے "آباد رہنے کے گھر میں" کر دیا۔ اتنی وضاحت کے بعد اب شاہ صاحب کا ترجمہ یہاں نقل کرنا بھی طوالت بے جا ہے۔ جناب علامہ کے ترجمے کو ذہن میں رکھیے اور امام احمد رضا کا ترجمہ پڑھ کر دونوں کا فرق معلوم کیجئے اور خلوص و بناوٹ میں امتیاز کیجئے۔ کنزالایمان میں ترجمہ اس طرح درج ہے۔

''وہ جس نے ہمیں آرام کی جگہ اُتارا اپنے فضل سے ہمیں اُس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے نہ ہمیں اُس میں کوئی تکان لاحق ہو''

آیت ۴۴: اس آیت کے آخری حصے کا ترجمہ جناب علامہ کے مصحف میں اس طرح درج ہے۔

''وہی ہے سب کچھ جانتا کرسکتا''

شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں جناب علامہ نے ایک لفظ ''کچھ'' کا اضافہ کیا ہے۔ جناب علامہ کے ترجمے میں بظاہر کوئی خرابی نہیں ہے۔ سوا اس کے کہ ''جانتا کرسکتا'' بہ معنی ''جاننے والا اور کرسکنے والا'' قدیم اردو ہے، جس کے سمجھنے میں قاری کو کوئی دشواری نہیں ہوگی، مگر اس ترجمے کے مقابلے میں امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ جناب علامہ کے ترجمے سے ۶ ربرس قبل امام احمد رضا نے کیسا عمدہ اور فصیح ترجمہ املا کرایا تھا۔

''بے شک وہ علم و قدرت والا ہے''

بات وہی ہے مگر زبان کی خوبی نے ترجمے میں جان ڈال دی ہے۔ مناسب الفاظ کا سلیقے کے ساتھ استعما کیا گیا ہے۔ اس ترجمے کی یہ ۱۳ویں خوبی ہے جو اول تا آخر موجود ہے یعنی ''مناسب الفاظ کا سلیقے سے استعمال''۔

سورۂ یٰس

آیت ۸: آیت کا علامہ محمود الحسن صاحب سے منسوب ترجمہ یہ ہے۔

''ہم نے ڈالے ہیں اُن کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھر اُن کے سر اُلل رہے ہیں''

ساتھ ہی شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

''ہم نے ڈالے ہیں اُن کی گردنوں میں طوق سو وہ ٹھوڑیوں تک پھر وہ سر اُچکا رہے ہیں''

''سر اُچکا رہے ہیں'' کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے جس کو سمجھنے میں دشواری ہو۔ نہ اس کو متروکات کی فہرست میں ڈالا جاسکتا ہے۔ معلوم نہیں جناب علامہ کو کیا سوجھی کہ اُس کی جگہ ایک غیر مانوس اور غیر مروّج فقرہ ''اُلل رہے ہیں'' کے استعمال کو ترجیح دی۔ ''اُللنا'' اگر کوئی مصدر ہے تو یہ حقیر فقیر اُس سے لاعلم ہے صرف اس کے ایک مصدر کی چھان پھٹک کے لیے لغات کو کھنگالنے کا وقت بھی فقیر کے پاس نہیں ہے۔ اگر کسی صاحب کو یہ کسی لغت میں نظر آجائے تو فقیر کو بھی ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر مطلع فرمانے کی زحمت فرمائیں اور اگر سمجھ میں آجائے تو یہ بھی بتانے کی مہربانی فرمائیں کہ اس کے استعمال سے کس طرح ترجمے میں چار چاند لگ گئے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھایا تھا۔

''ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق کردیے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ اب اوپر کو منھ اٹھائے رہ گئے''

آیت ۱۹: جناب علامہ نے اس طرح ترجمہ ارقام فرمایا۔

"کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے کیا اتنی بات پر کہ تم کو سمجھایا کوئی نہیں پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے"

"تم کو سمجھایا کوئی نہیں" سے ذہن میں یہ تبادر ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کو نصیحت نہیں کی گئی تھی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ پھر اُن کی کیا خطا ہوئی۔ ترجمے کی زبان کی خامی کی وجہ سے بات کچھ سے کچھ ہوگئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ نے دو جگہ برائے نام تصرف فرمایا ہے، بقیہ ترجمہ جوں کا توں نقل کر دیا ہے۔ شاہ صاحب نے اردو زبان کی نارسائی کے عہد میں یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

"کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے۔ کیا اس کہ تم کو سمجھایا کوئی نہیں پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے۔"

قارئین کرام ملا کر دیکھ لیں کہ اس ترجمے میں (اور اسی میں کیا پورے قرآن کریم کے ترجمے میں) جناب علامہ نے کیا تیر مارا ہے۔ سوائے شاہ صاحب کی محنت کو خاک میں ملانے کے۔ اور پھر تماشا یہ ہے کہ اُن کو مستقل مترجم سمجھا جاتا ہے۔ اس پر قیامت یہ ہوئی کہ ندوہ کے ایک سپوت نے اس کو اردو زبان کا سب سے اچھا ترجمہ بھی قرار دے ڈالا (شاید انہیں اپنے سیاسی اثر ورسوخ پر زیادہ اعتماد تھا) شاید دونوں نے یہ بھی سوچا تھا کہ بعد میں کون جانچ پرکھ کرنے کو بیٹھے گا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کو فی الفور اس طرح املا کرایا۔

"انہوں نے فرمایا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا اس پر بدکتے ہو کہ تم سمجھائے گئے بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو"

آیت ۲۶: جناب علامہ ترجمے میں رقم طراز ہیں

"حکم ہوا چلا جا بہشت میں بولا کسی طرح میری قوم معلوم کریں"

شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں جناب علامہ نے صرف اتنا تصرف کیا ہے کہ "معلوم کریں" کو "معلوم کریں" سے بدل دیا ہے۔ یعنی صرف ایک حرف "لام" کا اضافہ کیا ہے۔ برصغیر میں کسی جگہ بھی "قوم" کو جمع نہیں بولا جاتا جب کہ فعل "کریں" جمع ہے۔ لہٰذا ترجمہ لسانی حیثیت سے غلط اور سراسر غلط قرار پائے گا۔ یا تو یوں ہوتا کہ "قوم معلوم کرے" یا پھر یہ ہوتا "قوم معلوم کرلے" یا پھر یوں ہوتا "قوم کے افراد معلوم کرلیں" لیکن شاید جناب علامہ اتنی بات سمجھتے ہی نہیں تھے۔ ورنہ وہ شاہ صاحب کے اسی لفظ میں تصرّف کرتے ہوئے ضرور درست کرلیتے۔ تصرّف نہ کیا ہوتا تو قصور کم تھا۔ جب تصرّف کیا تھا اور

"لام" بڑھایا تھا تو "نون غنہ" کم کردیتے یعنی لکھ دیتے "قوم معلوم کرلے" تو کوئی خطا نہ رہتی۔ مگر رونا تو اسی بات کا ہے کہ علامہ نقل کی حد سے آگے بڑھنے کے اہل نہیں تھے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ قلم بند کرایا۔

"اُس سے فرمایا گیا کہ جنت میں داخل ہو کہا کسی طرح میری قوم جانتی"

آیت ۴۶: جناب علامہ نے آیت کا ترجمہ اس طرح رقم فرمایا۔

"اور کوئی حکم نہیں پہنچتا اُن کو اپنے رب کے حکموں سے جس کو ٹلاتے نہ ہوں"

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا کیا ہوا اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور کوئی حکم نہیں پہنچتا اُن کو اپنے رب کے حکموں سے جس کو ٹلا نہیں دیتے"

شاہ صاحب نے "ٹلا نہیں دیتے" لکھا تھا تو حضرت علامہ کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ "ٹلاتے نہ ہوں" لکھیں۔ شاہ صاحب کے زمانے اور جناب کے عہد میں زبان اور اسلوب میں کتنا فرق ہوگیا تھا اس سے اُن کو کوئی غرض نہیں تھی۔ یہ بھی نہیں کہ شاہ صاحب کے "ٹلا نہیں دیتے" میں جناب نے کوئی تصرف نہ کیا ہو۔ اگر جوں کا توں نقل کردیتے تب بھی صبر تھا؛ مگر قابلیت کا اظہار بھی تو ضروری تھا۔ ظاہر ہے کہ "ٹلا نہیں دیتے" کو وہ متروک مانتے تھے۔ تبھی تو اُس کو بدلا؛ مگر یہ نہ سوچا کہ اگر شاہ صاحب کا لکھا ہوا فقرہ متروک ہے تو اُن کا لکھا ہوا فقرہ "ٹلاتے نہ ہوں" بھی تو متروک ہے۔ پھر اس کاریگری کی ضرورت ہی کیا تھی۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

"اور جب کبھی اُن کے رب کی نشانیوں سے کوئی نشانی اُن کے پاس آتی ہے تو منہ ہی پھیر لیتے ہیں"

واضح ہو کہ یہ ترجمہ حضرت علامہ کے ترجمے سے ۶۰ ربرس پیشتر کیا گیا تھا۔

آیت ۵۱: جناب علامہ کا کیا ہوا مکمل آیت کا ترجمہ یوں ہے۔

"اور پھونکی جائے گی صور پھر تبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے"

اہل زبان "صور" کو مذکر بولتے اور لکھتے ہیں۔ تمام لغات میں اس کو مذکر درج کیا گیا ہے۔ تذکیر و تانیث پر لکھی ہوئی کتابوں میں بھی اس کو مذکر لکھا گیا ہے۔ مگر جناب علامہ تنہا اس کو مؤنث مانتے ہیں۔ اس لیے "پھونکی جائے گی" لکھا۔ جبکہ اس کی قواعدی جنس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایک اکیلے آدمی کی رائے زبان کے مسلمہ اصولوں کو نہیں بدل سکتی۔ پھر یہ بھی ہے کہ جناب خود اس بارے میں مذبذب نہیں ہیں۔ وہ اس کو مذکر بھی لکھتے ہیں۔ (جیسا آگے آئے گا سورۂ زُمر میں)

جناب علامہ کی اس رائے سے ہر پڑھا لکھا شخص اختلاف کرے گا۔ مناسب بلکہ بہتر معلوم ہوتا ہے اس سلسلے میں جناب علامہ کے ترجمے کے خاص مآخذ یعنی شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے پر بھی ایک نظر

ڈال لی جائے کی جا ہے شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور پھونکا جاوے نرسنگھا پھر تب ہی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے''

غور فرمائیے کہ شاہ صاحب نے ''پھیل پڑیں گے'' لکھا تو جناب علامہ نے بھی اُسی کو نقل کر دیا۔ اس موقع پر اُن کو یہ فقرہ متروک معلوم نہیں ہوا۔ امام احمد رضا نے آیت کا ترجمہ اس طرح فی الفور بول کر لکھایا۔

''اور پھونکا جائے گا صور جبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلیں گے۔''

آیت ۵۸: اس چھوٹی سی آیت کے ذیل میں جناب علامہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا۔

''سلام بولنا رب مہربان سے''

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہ ترجمہ کیا تھا۔ جناب علامہ نے اس میں ایک لفظ کا بھی تصرف نہیں کیا۔ اس لیے اس کا نقل کرنا بے سود ہے۔ امام احمد رضا نے آیت سن کی فی البدیہہ یہ ترجمہ ارشاد فرمایا۔

''اُن پر سلام ہوگا مہربان رب کا فرمایا ہوا''

آیت ۷۵: جناب علامہ نے اپنے چاہنے والوں کو اس آیت کا ترجمہ اس طرح عنایت فرمایا۔

''نہ کر سکیں گے اُن کی مدد اور یہ اُن کی فوج ہو کر پکڑے آئیں گے''

ترجمہ ایک دم واضح نہیں ہے۔ ابہام موجود ہے۔ ہر کسی کے پلے نہیں پڑ سکتا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ انہوں نے یوں ترجمہ ارشاد فرمایا تھا۔

''نہ کر سکیں گے اُن کی مدد کرنی اور یہ اُن کی فوج ہو کر پکڑے آویں گے''

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

''وہ اُن کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ اُن کے لشکر سب گرفتار حاضر آئیں گے''

آیت ۷۸: آیت کے ایک حصے کے تحت جناب علامہ کی گل افشانی تحریر ملاحظہ فرمائیے۔

''کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہو گئیں''

خط کشیدہ لفظ (کھوکھری) فقیر راقم کے لیے نیا تھا اس لیے اس کے معنی دیکھنے کے لیے ڈکشنری سے استفادہ کیا گر ڈکشنری میں یہ لفظ نہیں ملا۔ پھر یکے بعد دیگرے ڈکشنریاں کھنگالنی شروع کیں۔ راقم کے پاس جتنی اردو ڈکشنریاں تھیں (چھوٹی بڑی تقریباً دس ۱۰ عدد) ایک ایک کر کے سب دیکھ لیں۔ مگر لفظ ''کھوکھری'' کا اندراج کسی میں نہیں ملا طبیعت پریشان ہو گئی۔ تو شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے سے استفادہ کیا۔ انہوں اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا تھا۔

''کہنے لگا کون جلاوے گا ہڈیاں جب کھوکھلی ہو گئیں''۔

شاہ صاحب کے ترجمے سے استفادے کے بعد معلوم ہوا کہ جناب علامہ نے "کھوکھلی" کو "کھوکھری" بنادیا تھا اپنی اس ناسمجھی پر ندامت ہوئی۔

جناب علامہ کی ولادت علاقہ روہیل کھنڈ کے قلب بریلی شریف کی بتائی جاتی ہے۔ چودہ پندرہ برس کی عمر تک وہ وہیں رہے۔ اور یہی زمانہ زبان سازی میں معاون ہوتا ہے۔ بریلی میں یہ لفظ نہیں بولا جاتا اگر علاقہ روہیل کھنڈ میں بولا جاتا ہوگا تو بدایوں کے جنوب میں بولا جاتا ہوگا۔ جہاں برج بھاشا کا اثر پایا جاتا ہے۔ (اگرچہ اس کی بھی تصدیق نہیں ہے۔) کیونکہ برج بھاشا میں "لام" بدل کر کہیں کہیں "را" جیسے "وار" بجائے "دال" میں نے کیا تھا کھیر پکئے تے نے پکالی وار۔

"یا کمریا" بجائے "کملیا" جیسے یہ لے اپنی لکٹ کمریا بہت ہی ناچ نچایو۔

یا "کاری" بجائے "کالی" اور "بدریا" بجائے "بدلیا" جیسے۔ کاہے نہ برست کاری بدریا۔

یا "کاجر" بجائے "کاجل" جیسے وہ گوکل کاجر کی کوٹھی۔

اس طرح کے بہت سے الفاظ ہیں جو یادو ذات کے لوگ اور اُن کے گانوں کے رہنے والے بولتے ہیں۔ مگر حیرت اس بات پر ہے کہ جناب علامہ کو یہ زبان کہاں سے آئی۔ اور آئی بھی تو اس سے اتنا لگاؤ کیوں کر ہوا کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا لکھا ہوا صحیح لفظ پسند نہ آیا اور اہیروں کا لفظ اُس کی جگہ رکھ دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ سہارن پور کے ایک خاص قصبے کی اردو ہو جو وہاں سے نہ جانے کہاں کہاں پہنچی ہے۔

جناب علامہ نے اپنا پسندیدہ لفظ قرآن کریم کے ترجمے میں داخل کیا۔ اس کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ لفظ "کھوکھلی" اُن کے نزدیک یا تو متروک تھا یا غیر فصیح۔

جب کہ صورت حال یہ ہے کہ یہ لفظ اب بھی نہ متروک ہے نہ غیر فصیح۔ حیرت اس بات پر ہے کہ ایک اچھے خاصے لفظ کو مردود قرار دے کر جناب علامہ نے یادو جاتی کے ایک لفظ کو کیوں ترجمے میں داخل کیا۔ یادووں اور اُن کی زبان سے یہ محبت کیا پیغام دیتی ہے یہ تحقیق کا موضوع ہے۔ جناب علامہ کے ترجمہ قرآن کے قصیدہ خوانوں میں سے کوئی اس بات پر اعتراض تو خیر کیا۔ کرتا کسی نے اس لفظ کی نشاندہی بھی نہیں کی۔ اگر جناب علامہ نے یہ کام اچھا کیا تھا تو ان کے عقیدت مندوں کو اس لفظ کو رواج دینا چاہیے تھا۔ بہر حال ایسا کیوں ہوا، کیسے ہوا یہ ایک معما ہے جس کو کوئی نفسیات کا عالم ہی حل کرسکتا ہے۔

۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

"بولا ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں"

خیال رہے کہ قیامت تک ہڈیاں بالکل گل جائیں گی۔ کھوکھلی تو چند سال میں ہو جاتی ہیں۔

سورۃ الصّٰفّٰت

آیت ۱ تا ۳: علامہ محمود الحسن صاحب نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا۔

"قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہوکر پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر پھر پڑھنے والوں کی یاد کرکر"

اس ترجمے میں دو ۲ فقرے قابل غور ہیں اوّل "صف باندھنے والوں کی قطار ہوکر" قطار ہوکر کہنا صحیح روزمرہ نہیں "صف باندھنے والوں کی قطار میں کھڑے ہوکر" یا "صف باندھنے والوں کی قطار کے ساتھ" یا اسی طرح کا کوئی بامعنی فقرہ ہوتا تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ مگر جناب علامہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی نقل کرتے تھے تو شاید یہ سوچتے ہی نہیں تھے کہ کیا کررہا ہوں۔ آخری فقرہ "یاد کرکر" جناب علامہ کے خاص لب و لہجے کا حصہ ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمے میں انہوں نے اتنا ہی تصرف کیا ہے۔ شاہ صاحب نے "یاد کر" لکھا تھا۔ علامہ نے "یاد کرکر" کردیا۔ "یاد کرکے" لکھنے میں شاید انہیں قباحت معلوم ہوتی تھی۔

جناب علامہ نے ان تینوں آیتوں میں صرف اسی ایک لفظ "کر" اضافہ کیا ہے۔ باقی ترجمہ شاہ صاحب کی نقل ہے۔ اس لیے اس کو درج کرنا کچھ ضروری نہیں۔ امام احمد رضا نے حضرت صدرالشریعہ بدر طریقت مولانا امجد علی کو یہ ترجمہ املا کرایا تھا۔

"قسم اُن کی کہ باقاعدہ صف باندھیں پھر اُن کی کہ جھڑک کر چلائیں پھر اُن جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں"

ترجمہ پڑھیے اور زبان کی صفائی کی داد دیجیے۔

آیت ۲۶: جناب علامہ کے مصحف شریف میں اس آیت کا ترجمہ یوں لکھا ہوا ملتا ہے۔

"کوئی نہیں وہ آج اپنے آپ کو پکڑواتے ہیں"

قارئین شروع سے ہی ملاحظہ فرمارہے ہوں گے کہ جناب علامہ ترجمے میں "کوئی نہیں" بہت استعمال کرتے ہیں۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ اُن کا تکیہ کلام ہے۔ اندازہ ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے عہد میں یہ استثناء یا ربط کے طور پر بولا جاتا ہوگا۔ مگر جناب علامہ کو ان باتوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔ انہیں تو مترجم بننا تھا۔ خواہ کوئی بھی ہتھکنڈا استعمال کرنا پڑے اس لیے وہ کیوں ذہن پر زور ڈالتے بے سوچے سمجھے شاہ صاحب کے عہد کی زبان کو نقل کرتے گئے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

"کوئی نہیں وہ آج آپ کو پکڑواتے ہیں"

جناب علامہ نے بھی "کوئی نہیں" کو اپنے ترجمے میں شامل کرلیا جبکہ اب کلام میں اس کا کوئی فائدہ

نہیں۔ امام احمد رضا کا ترجمہ یوں ہے۔

"بلکہ وہ آج گردن ڈالے ہیں" ترجمے کا اختصار قابل داد ہے۔

آیت ۷۷: اس آیت کے ذیل میں جناب علامہ نے اس طرح ترجمہ درج فرمایا۔

"اور رکھا اُن کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے"

اگر کوئی گورکھ دھندا سلجھانے کا ماہر ہو تو اس کو سلجھا کر دکھائے۔ اگر "باقی رہنے والی" ہوتا تو کچھ بات سمجھ میں آ سکتی تھی۔ کیونکہ "اولاد" مؤنث ہے مگر پھر بھی "وہی" بھرتی کا لفظ قرار پاتا۔ اس سے نسبتاً صاف اور رواں ترجمہ تو شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا تھا۔ اُن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اور رکھی اُس کی اولاد وہی رہ جانے والی"

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

"اور ہم نے اُس کی اولاد باقی رکھی"

زبان کی صفائی قابل داد ہے۔

آیت ۷۸: جناب علامہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے

"اور باقی رکھ اُس پر پچھلے لوگوں میں"

اس ترجمے کو لفظ "پر" نے چیستاں بنا دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب علامہ کیا فرمانا چاہتے ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ فرمانا نہیں چاہتے۔ وہ تو شاہ صاحب کے نقال ہیں۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور باقی رکھا اُس پر پچھلی خلق میں"

ہو سکتا ہے شاہ صاحب کے زمانے میں "کو" کی جگہ "پر" کا بھی رواج رہا ہو۔ مگر جناب علامہ کے عہد میں تو ایسا ہرگز نہیں تھا۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا۔

"اور ہم نے پچھلوں میں اُس کی تعریف باقی رکھی"

آیت ۹۸: جناب علامہ نے اپنے عقیدت مندوں کو اس آیت کا ترجمہ اس طرح عطا فرمایا۔

"پھر چاہنے لگے اُس پر بُرا داؤ کرنا پھر ہم نے ڈالا انہیں کو نیچے"

اگر املا کے اختلاف کو نظر انداز کر دیا جائے تو شاہ صاحب کا ترجمہ بھی یہی ہے۔ دونوں ہی ترجمے مبہم ہیں۔ امام احمد رضا نے آیت کے سنتے ہی فی الفور اس کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

"تو انہوں نے اُس داؤں چلنا چاہا ہم نے انہیں نیچا دکھایا"

آیت ۱۴۲: جناب علامہ نے اس آیت کے ذیل میں یہ ترجمہ درج فرمایا۔

"پھر لقمہ کیا اُس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا"

"الزام کھایا ہوا" اگر کہیں مروج ہو تو قارئین کرام ایک پوسٹ کارڈ سے فقیر کو بھی مطلع فرمائیں۔

شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

"پھر لقمہ کیا اُس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا"

امام احمد رضا نے جناب صدر الشریعہ مولانا امجد علی رضوی اعظمی کو اس آیت کا فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا۔

"پھر اُسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا"

آیت ۱۴۳: جناب علامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح ارقام فرمایا۔

"پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا ذات پاک کو"

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ "پھر اگر نہ ہوتا کہ وہ تھا یاد کرتا پاک ذات کو"

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

"تو وہ اگر تسبیح کرنے والا نہ ہوتا"

چند الفاظ میں وہ بات کہہ دی جو جناب علامہ نے دو ۲ جملوں میں فرمائی ہے۔

آیت ۱۷۴: جناب علامہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح رقم فرمایا ہے۔

"سو تو اُن سے پھر آ ایک وقت تک"

جناب علامہ نے آیت ۱۷۸ کا بھی ایسا ہی ترجمہ فرمایا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"سو تو پھر آ اُن سے ایک وقت تک"

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ قلم بند کرایا۔

"تو ایک وقت تک تم اُن سے منہ پھیر لو"

آیت ۱۷۹: جناب علامہ نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ اس طرح درج مصحف فرمایا۔

"اور دیکھتا رہ اب آگے دیکھ لیں گے"

پڑھتے رہیے اور سمجھنے کی کوشش کرتے رہیے۔ شاید ہی کچھ پلے پڑے۔ بالکل یہی ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی تحریر فرمایا تھا۔ جس کو جناب علامہ نے جوں کا توں نقل کر لیا۔ اس لیے اس کو یہاں درج کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے آیت کا ترجمہ اس طرح جناب صدر الشریعہ کو لکھایا۔

"اور انتظار کرو کہ وہ عنقریب دیکھیں گے"

☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ۔ ان شاء اللہ)

تصحیح اغلاط

بھول چوک بشر کی فطرت ہے۔ اسی وجہ سے سہ ماہی "افکار رضا" ممبئی بابت جنوری تا مارچ ۲۰۰۳، جلد ۹ شمارہ ۱ میں شائع "ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ" کی قسط نمبر ۸ میں نقل درنقل اور کمپیوٹر کی کمپوزنگ کی وجہ سے مندرجہ ذیل اغلاط راہ پا گئی ہیں۔ قارئین کرام تصحیح فرمالیں۔ بعد میں شائع ہونے والی قسط پر ابھی تنقیدی نظر نہیں ڈالی جاسکی ہے۔ (صابر سنبھلی)

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۷	۷	جناب علامہ نے اس کے باوجود قارئین کی سہولت	جناب علامہ نے قارئین کی سہولت
۱۲	۲۴	یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے ٹھاکرں سے	یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے
۱۳	۱۷	اور جب ہر نکلیں کھیل کی باتوں پر	اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر
۱۴	۷ تا ۱۴	سورۂ الشعراء کی آیت ۱۶ کا تنقیدی جائزہ لالعدم سمجھا جائے۔	
۱۴	۱۷	اس فعل کی متعدی شکل کسی فصیح نہیں لکھی	اس فعل کی متعدی شکل کسی فصیح نے نہیں لکھی
۱۴	۲۰	مگر اصلی غلطی کو	مگر اصل غلطی کو
۱۵	۱۱	حضرت صدر الشریعہ کو بدل کر لکھایا ہوا	حضرت صدر الشریعہ کو بول کر لکھایا ہوا
۱۶	۱۳	اہل وعیال لے آئے تو یہ تصرف جائز ہوتا	اہل وعیال لے آتے تو یہ تصرف جائز ہوتا
۱۶	۱۷	دیوار کو بھی دوسری جگہ سے جانا ممکن نہیں تھا	دیوار کو بھی دوسری جگہ لے جانا ممکن نہیں تھا
۱۷	۲۰	پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھا	پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا
۱۷	۲۳	ایک فقرہ "راہ دیکھنا" داخل کیا تھا	ایک فقرہ "راہ دیکھتا" داخل کیا تھا
۱۸	۲۱ تا ۲۲	کہ فرعون کے دربار میں جادوگروں کو دیکھ کر ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہوگیا۔	جب وادی ایمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلی بار حکم الٰہی سے عصاء ڈالا اور وہ سانپ بن گیا تو آپ پر خوف طاری ہوگیا تھا جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے۔
۲۰	۴	سو دوستی کر آپس میں دنیا کی	سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی
۲۱	۱	مولانا امجد علی بستوی	مولانا امجد علی اعظمی

بغداد کی تباہی اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ

تحریر: ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی ایم بی بی ایس (پاکستان)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے امتحانات لیتا رہتا ہے، اور اس کے بندوں پر جب بھی ابتلاء، آزمائش یا مشکل وقت آتا ہے تو اس کے پیارے بندے صبر کرتے ہیں، عزم و ہمت اور استقلال کا مظاہرہ کرتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ انہیں اجر دیتا ہے۔ عین اس وقت بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بندگانِ خدا کا اس مشکل وقت میں مذاق اڑا رہے ہوتے ہیں، خوشی کے شادیانے بجا رہے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تصویریں اُتارتا ہے کہ "وان تصبکم سیئة یفرحوا بھا" (آل عمران: آیت ۱۲۰) ترجمہ۔ اگر تمہیں کوئی برائی پہنچ جائے تو وہ اس سے خوش ہوں۔

غزوۂ احد میں دندانِ مبارک شہید ہوں یا واقعۂ کربلا میں خانوادۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاک میں لت پت ہو، مزارات صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم شہید کرنے کا معاملہ ہو یا غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے دروازے پر امریکی بمباری کا مسئلہ ہو، یہ لوگ ہر جگہ خوش ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں انبیاء و اولیاء کے اختیارات کی نفی کی یہ بہترین دلیلیں ہیں، اس جماعت کی توحید بزعم خویش ان واقعات سے مضبوط ہوتی ہے، اس لیے اپنی توحید کے عقیدے کی پختگی دیکھ کر یہ خوش ہوتے ہیں، ان کے علاوہ یہود و نصاریٰ مجوس و ہنود اور دیگر شیاطین بھی خوش ہوتے ہیں۔

اس وقت (وہابی ترجمان) ماہنامہ "محدث" لاہور، شمارہ اگست ۲۰۰۳ء کے صفحات نمبر ۹۶، ۹۷ میرے سامنے کھلے ہوئے ہیں، جن میں حافظ مبشر صاحب نے پہلے تو سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کو فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، پھر آپ کے مزار مبارک پر لکھے گئے اشعار کو غلط نقل کر کے ان کو شرکیہ قرار دیا ہے، پھر سیدنا جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خداداد اختیارات کا انکار کرنے کے لیے دلیل دینے کی کوشش کی ہے، اس کے بعد شیخ سے روحانی استمداد کی تعلیم کو جھوٹ قرار دیا ہے، ہم حافظ مبشر صاحب کی ان چاروں باتوں کا تجزیہ کر کے اپنے قارئین کو پیش کرتے ہیں۔

حافظ مبشر صاحب نے "الذیل علی الروضتین" از ابو شامہ (پ۔ ۵۹۹ھ / ف۔ ۶۶۵ھ) "النجوم الزاہرہ" از ابن تغری بردی (ف۔ ۸۷۴ھ) "شذرات الذھب" از ابن العماد الحنبلی (ف۔ ۱۰۸۹ھ) وغیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبداللہ بن یونس بغدادی وزیر نے سیدنا جیلانی کی قبر تک کھود ڈالی اور آپ کی ہڈیاں دریائے دجلہ کی لہروں میں پھینک دیں اور کہا کہ وقف کی زمین میں دفن کرنا جائز نہیں۔

جواباً عرض ہے کہ یہ بات روایت و درایت کی رو سے مردود ہے، چنانچہ الذیل علی الروضتین، النجوم الزاہرہ اور شذرات الذہب میں یہ روایت یوں درج ہے: "و یقال انه بعث فی اللیل من نبش قبر الشیخ عبدالقادر الکیلانی و رمی عظامه فی دجله و قال هذا وقف ما یحل ان یدفن فیه احد" اہل علم جانتے ہیں کہ "یُقَالُ" (کہا گیا) کی حیثیت کیا ہے؟ یہ نا قابل اعتماد اور نا قابل اعتبار روایت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، ایسی بات کہ جس کا قائل مجہول ہے، نا معلوم ہے، اس کی حیثیت ایک شوشے سے زیادہ نہیں ہے، یہ حافظ مبشر صاحب کا حوصلہ ہے کہ ایک شوشے کی بنیاد پر ایک ہر دور کی متواتر زیارت گاہِ ہر خاص و عام کو فرضی قبر قرار دے رہا ہے، اور "یُقَال" کا لفظ جو اس روایت کا عیبی ہونا ظاہر کرتا تھا، اس کا ترجمہ نہ کر کے اس روایت کا عیب چھپا گیا، روایت کا عیب اور کمزوری چھپانا تدلیس کہلاتا ہے، جس سے ماہنامہ محدث لاہور کی سچائی کا پول کھلتا ہے۔ وزیر عبداللہ بن یونس بغدادی ۵۹۳ھ میں فوت ہوا اور ابو شامہ ۵۹۹ھ میں پیدا ہوا، اتنے قریب دور کا شخص تحقیق نہ کر سکا کہ کس نے کہا ہے، قائل مجہول رہا، مجہول و نامعلوم پر اعتماد کر کے متواتر و یقینی بات کو جھٹلانا جہالت ہی نہیں حماقت بھی ہے۔ پھر امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے شرح الصدور (عربی) صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳ پر روایات سے ثابت کیا ہے کہ انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ شہید، مؤذن اور حافظِ قرآن کا جسم بھی قبر میں محفوظ رہتا ہے، کیا ماہنامہ محدث لاہور کی جماعت انہیں اسی درجہ کا ولی اللہ مانتی ہے جس کو عام نیک مسلمان کی حالت بھی قبر کھلنے پر بہتر دیکھی گئی ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

رہ گئی وقف میں مدفون ہونے کی بات تو اس کی حیثیت بہانہ سے زیادہ نہیں ہے، کیا جو ایسی جگہ دفن ہو اسے وہاں سے نکال کر دریا میں پھینکا جاتا ہے؟ پھر مقام تدفین کو کس نے وقف کیا تھا؟ کن شرائط سے کیا تھا؟ کیا علما و مشائخ وقت اور آلِ شیخ اس مسئلے سے بے خبر تھی اور ایک وزیر کو یہ مسئلہ معلوم تھا؟ حق یہ ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مخالف نے آپ کی مقبولیت سے جل کر یہ شوشہ چھوڑا، کشف قبور رکھنے والے ان گنت بزرگانِ دین آپ کے مزار پاک پر حاضر ہوئے ہیں تو پھر ان کور باطنوں کی کون سنتا ہے۔ ؎

مہ فشاند نور و سگ عوعو کند — ہر کسے بر خلقتِ خود می تند

(چاند روشنی پھیلاتا ہے اور کتا بھونکتا ہے۔ ہر ایک اپنی فطرت ظاہر کر کے اتراتا ہے)

یہ سب کچھ لکھنے کے بعد حافظ مبشر صاحب نے کتاب قلائد الجواہر پر اس واقعہ کی صحت تسلیم کرنے کا الزام لگایا ہے، ہم نے قلائد الجواہر کی خوب ورق گردانی کی مگر حافظ صاحب کی تصدیق سے کتاب کو محروم پایا، ماہنامہ محدث کو ایسے جھوٹ مبارک ہوں۔

اس کے بعد مضمون نگار نے مزار مبارک پر لکھے ہوئے سیدنا بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸ھ۔۹۱ ۷ھ) کے دو شعر نقل کیے ہیں، جنہیں اس نے اندھے عقیدت مند کے شرکیہ شعر قرار دیا ہے، نعوذ باللہ من ذالک۔ حفظ مبشر صاحب نے دوسرے شعر کا آخری مصرعہ بھی غلط لکھا ہے۔ صحیح اشعار درج ذیل ہیں!

بادشاہ ہر دو عالم شاہ عبدالقادر است ۔۔۔ سرور اولاد آدم شاہ عبدالقادر است
آفتاب و ماہتاب و عرش و کرسی و قلم ۔۔۔ نور قلب از نور اعظم شاہ عبدالقادر است

ان کا معنی یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقتِ ولایت میں موجود دونوں جہانوں اور تمام انسانوں کے سید و سردار ہیں، سورج، چاند، عرش، کرسی اور قلم پر نور اعظم سیدنا جیلانی علیہ الرحمہ کے دل کی آنکھ کی نورانی شعائیں پہنچ رہی ہیں۔ مگر اولیاے کرام کے گستاخ میں سخن فہمی کیوں کر آئے؟ سیدھی سی بات ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں خیر البریہ تھے۔

دوسرے شعر کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سورج، چاند، عرش، کرسی اور لوح و قلم کے حقائق علیہ نور اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے منور دل میں جمع ہیں، آیات آفاقی کا جلوہ فی انفسھم میں جلوہ گر ہے، حافظ مبشر صاحب نے شرک کا فتویٰ تو جڑ دیا مگر شرک کا فتویٰ تو ثبوت مانگتا ہے، حافظ صاحب یہ بھول گئے کے اللہ تعالیٰ نے تو یہود کو بھی ایک وقت فرمایا تھا کہ انی فضلتکم علی العلمین (سورۂ بقرہ۔ آیت ۴۷) ہر دو عالم ہی نہیں بلکہ عالمین (بشمول اولادِ آدم) کی شاہی و سروری اس وقت یہود کے پاس تھی، کیا یہ شرک تھا؟

اس کے بعد حافظ مبشر صاحب اپنا تیسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شیخ اپنے عراق، اپنے بغداد بلکہ اپنے مزار تک کو نہ بچا سکا تو پھر اہل سنت کی مدد کیسے کر سکتا ہے؟ یہاں غیر مسلموں کا بھی ایک مزید اعتراض کرتا چلوں کہ اگر اسلام سچا مذہب ہے تو فلسطین، افغانستان، کشمیر اور بھارت میں مسلمانوں پر ظلم کیوں ہو رہا ہے، بلکہ مسجدیں (اللہ کے گھر) شہید ہو رہی ہیں، تو جس مذہب کا خدا نہ اپنے ماننے والوں کو بچا سکا اور نہ اپنے گھروں کو بچا سکا تو ایسا مذہب اپنانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہابیوں نے یہ اعتراض غیر مسلموں سے لیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی حکمت یا مصلحت کے سبب مدد نہ کرنا اور بات ہے، مگر مدد نہ کر سکنا اور بات ہے۔ طاقت و قدرت نہ رکھنا اور بات ہے مگر طاقت و قدرت ظاہر نہ کرنا اور بات ہے۔ انبیا و اولیا اپنی طاقت و قدرت اللہ تعالیٰ کے اذن و اجازت کے بغیر ظاہر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کہیں تو اپنے بندوں کی عزم و ہمت اور صبر و استقلال کا امتحان لیتا ہے، کہیں اپنے بندوں کی بد عملی کی سزا دیتا ہے، اللہ کے پیاروں کی قدرت جو انہیں ان کے رب نے عطا فرمائی ہے، رضا و تسلیم و عبدیت کے ساتھ ہے، نہ کہ معاذ اللہ جباری و سرکشی و خودسری کے ساتھ۔ روزہ دار کے پاس کھانا پانی بھی ہوتا ہے اور کھانے پینے کی طاقت بھی

ہوتی ہے مگر اس طاقت کے استعمال کا اذن نہیں ہوتا، اجازت نہیں ہوتی، زنا سے بچنے والے کو جماع کے قابل نہ سمجھنا جہالت و حماقت ہے، عدم اظہار قدرت کو عدم قدرت قرار دینا حافظ مبشر صاحب کا ہی کارنامہ ہے، طائف کا دن تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے احد سے بھی سخت تھا، پتھروں سے لہولہان ہوئے، تکلیف سے بیٹھ جاتے تو ظالم پھر کھڑا کر کے پتھر مارتے اور تمسخر اڑاتے، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کیا ورنہ ملائکہ تو ان کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے منتظر تھے، مگر نائب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خداداد طاقت کو استعمال نہ فرمایا۔

مخالف آخر میں حضور غوث پاک کی سکھائی ہوئی نماز حاجت (دو رکعت) کا ذکر کرتا ہے، جس کے بعد گیارہ بار شیخ کا نام ذکر کرنا ہے اور اپنی حاجت ذکر کرنی ہے، مخالف اس بات کو جھوٹ قرار دیتا ہے، حالانکہ یہ بات "یُقَالُ" کے الفاظ کے ساتھ نہیں بلکہ معتبر سند کے ساتھ کتاب "بہجۃ الاسرار" میں موجود ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار اور زبدۃ الآثار میں اس روایت کو قبول کیا ہے، ملا علی قاری نے "نزھۃ الخاطر الفاتر" میں یہ روایت قبول کی ہے، امام جلال الدین سیوطی نے کتاب "الرحمۃ فی الطب و الحکمۃ" (عربی) مطبوعہ بیروت (لبنان) میں قضائے حاجات کی ایک ترکیب میں "یا سیدی عبدالقادر" دس بار پکارنے کی تعلیم دی ہے۔ لیکن کتب خانہ شان اسلام، اردو بازار لاہور نے عبدالہادی مترجم کا جو اسی کتاب کا ترجمہ "مجربات امام سیوطی" کے نام سے شائع کیا ہے اس میں "یا سیدی عبدالقادر" کے الفاظ کی پوری تعلیم غائب ہے۔ والی اللہ المشتکی۔ حافظ مبشر اگر مذکورہ اکابر کی تکذیب کرنا چاہے تو اس کی قسمت ہے، تاہم اسے معلوم ہو کہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "ہمعات" کے ہمہ نمبر ۱۱ میں واضح کیا ہے کہ غوث پاک کی روح مبارک تعلق داروں کو اب بھی فیض دے رہی ہے، شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی کتاب "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں بھی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء للہ کا وظیفہ درج تھا مگر مہربانوں نے وہ بھی نکال دیا، تاہم شاہ اسماعیل دہلوی نے کتاب "صراط مستقیم" میں اور مولوی نذیر حسین دہلوی غیر مقلد نے فتاویٰ نذیریہ میں سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو "غوث اعظم" قرار دیا ہے، یعنی اولیائے کرام میں سب سے بڑا فریاد رس۔ تاہم یہ وہ فریاد رس ہیں جو اللہ کے اذن و اجازت کے بغیر فریاد رسی نہیں کرتے، یہ بندوں کی ایک پوری جماعت ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ان اللہ عبادا اختصھم بحوائج الناس یفزع الناس الیھم فی حوائجھم (جامع صغیر سیوطی) بے شک اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کیا ہے لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں۔ ماہنامہ محدث لاہور اور ان کی جماعت ان اکابر کے خلاف فتویٰ شرک جاری کرنے کی ہمت نہیں رکھتا جو سیدنا جیلانی کو غوث مانتے ہیں، بلکہ یہ فتویٰ جمہور امت کی تکفیر کے مترادف ہوگا۔ ☆☆

مفسرِ قرآن امام احمد الصاوی المالکی الخلوتی المصری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب: خلیل احمد رانا، جہانیاں منڈی، پنجاب، پاکستان

حضرت عارف باللہ علامہ امام احمد بن محمد الصاوی المالکی الخلوتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے مشہور مفسر، محدث، فقہ مالکی کے مشہور عالم، صوفی اور ولی اللہ تھے۔ عالم اسلام کے علما و مشائخ اور عام مسلمان آپ کو "عارف صاوی" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور آپ کی ولایت پر متفق ہیں۔

آپ ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء میں مصر کے مغربی حصہ میں دریائے نیل کے کنارے قصبہ "صاء الحجر" میں پیدا ہوئے، یہیں تعلیم حاصل کی اور تصوف کے طریقۂ خلوتیہ میں حضرت شیخ ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد العدوی المالکی الخلوتی الازہری المعروف شیخ الدردیر المالکی المصری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی، طریقۂ خلوتیہ تصوف کے سلسلہ قادریہ کی ہی شاخ ہے، آپ کا شجرۂ طریقت یہ ہے:

☆ شیخ ابونجیب عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۶۳ھ/۱۱۶۸ء)

☆ شیخ قطب الدین محمد بن ابہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء تقریبا)

☆ شیخ رکن الدین ابوالغنائم محمد بن فضل زنجانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۱۵ھ/۱۲۱۸ء تقریبا)

☆ شیخ شہاب الدین محمد بن محمود تبریزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۲۹ھ/۱۲۳۲ء تقریبا)

☆ شیخ جلال الدین تبریزی المعروف بہ ابن صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء)

☆ شیخ تاج الدین ابراہیم زاہد گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء تقریبا)

☆ شیخ محمد بن نور خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۶۵ھ/۱۲۶۷ء تقریبا) خلوتی سلسلہ آپ سے منسوب ہے۔ آپ جب ذکر کیا کرتے تھے تو آپ کی آواز چار فرسخ تک پہنچتی تھی۔

☆ شیخ عمر خلوتی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۳۰ھ/۱۳۳۰ء تقریبا)

☆ شیخ محمد بیرام خلوتی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۸۰ھ/۱۳۷۸ء تقریبا)

☆ شیخ الحاج عزالدین شروانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء) آپ کا مزار قوقاز میں شماخی کے دروازہ میر علی کے قریب واقع ہے۔

☆ شیخ صدرالدین عمر خیاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۳۲ھ/۱۴۲۹ء تقریبا) قوقاز کے شہر شروان کے قریب دو جڑواں گاؤں خیاوہ مشکی کے باشندے، آپ کا مزار شماخی کے نواح میں ہے۔

☆ شیخ سید یحییٰ جلال الدین بن سید بہاء الدین شروانی باکوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۸۶۷ھ/۱۴۶۳ء) شماخی شہر میں پیدا ہوئے اور قوقاز کے ساحلی شہر باکو میں مزار ہے، آپ کی متعدد تصنیفات ہیں، جن میں سے "وردالستار" مقبول عام ہوئی اور اس کی متعدد شروح لکھی گئیں۔

☆ شیخ محمد بہاء الدین ارزنجانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۷۹ھ/۱۴۷۴ء)۔ آپ ارزنجان کے قریب مقام کثرلیج میں پیدا ہوئے اور ارزنجان شہر کی مرکزی مسجد کے قریب مزار واقع ہے۔ آپ کی تصنیفات میں سے "مقامات العارفین و معارف السالکین" کا قلمی نسخہ مکتبہ مرادیہ ازمیر (ترکی) میں موجود ہے۔

☆ شیخ محمد جمال المعروف بہ چلبی سلطان اقسرائی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۹۹ھ/۱۴۹۴ء) آپ ترکی کے شہر اماسیہ میں پیدا ہوئے اور مرشد کے حکم پر دارالخلافہ استنبول میں خانقاہ قائم کی۔ خلیفہ عثمانی نے آپ کو چالیس مریدین کے ہمراہ حج و زیارت اور وہاں پر دعا کے لیے حجاز مقدس روانہ کیا تو آپ نے راستہ میں تبوک میں وفات پائی۔ آپ کی بیس کے قریب تصنیفات ہیں۔

☆ شیخ خیرالدین توقادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء) ترکی کے شہر توقاد کے باشندے، جو قونراپا شہر جس کا نیا نام دوزجہ ہے، وہاں مقیم رہے اور اسکدار میں مزار واقع ہے۔

☆ شیخ شعبان قسطمونی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۷۶ھ/۱۵۶۸ء) آپ صوبہ قسطمونی ترکی کے گاؤں طاش کبریٰ کے باشندے تھے اور سلسلہ شعبانیہ خلوتیہ آپ سے جاری ہوا۔ مصر کے شاہی خاندان خدیویہ کے ایک فرد محمود سری پاشا جرکسی نے تقریباً ۱۳۱۲ھ میں قسطمونی میں واقع آپ کے مزار کو نئے سرے سے تعمیر کرایا۔

☆ شیخ محی الدین قسطمونی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۲ء تقریباً) اپنے مرشد شیخ شعبان کے پہلو میں دفن ہیں۔

☆ شیخ عمر فوادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ء) شیخ شعبان کے احاطہ مزار میں قبر واقع ہے۔ چند تصنیفات ہیں، جن میں سے "مناقب الشیخ شعبان الولی" ۱۲۹۳ھ میں شائع ہوئی۔

☆ شیخ اسماعیل چوردمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء تقریباً) ترکی کے مقام چوردم کے باشندے اور دمشق میں مزار سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احاطہ میں قبر واقع ہے۔

☆ شیخ علی علاء الدین عربکیری المعروف بہ علی قراباش ولی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ء) ترکی کے مقام عربکیر کے باشندے، جنہوں نے دارالخلافہ استنبول میں تعلیمات تصوف کی خوب اشاعت کی۔ متعدد تصنیفات ہیں اور سلسلہ قراباشیہ خلوتیہ آپ سے جاری ہوا۔

☆ شیخ مصطفیٰ معنوی بن علی قراباش رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۱۴ھ/ ۱۷۰۵ء) عثمانی خلیفہ سلطان محمد چہارم آپ کے گہرے عقیدت مند تھے، چنانچہ آپ مذکورہ خلیفہ کی وفات ۱۱۰۴ھ تک ان کے پاس اَدرنہ میں مقیم رہے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، پھر استنبول منتقل ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ کے خلفاء کی تعداد چارسو چالیس کے قریب ہے۔

☆ شیخ عبداللطیف بن حسام الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۲۱ھ/ ۱۷۱۲ء تقریباً) شام کے شہر حلب میں پیدا ہوئے اور دمشق میں مزار واقع ہے، آپ کے حالات پر آپ کے خلیفہ شیخ مصطفیٰ البکری نے کتاب تصنیف کی۔

☆ شیخ ابوالمعارف قطب الدین مصطفیٰ بن کمال الدین البکری الصدیقی الحنفی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۶۲ھ/ ۱۷۴۹ء) ۱۰۹۹ھ میں دمشق (شام) میں پیدا ہوئے۔ آپ قطب البکری کے نام سے مشہور ہیں (البکری، الصدیقی کی نسبت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ہے، جیسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد عمری، فاروقی کہلاتی ہے) تصوف میں آپ کا بڑا مقام ہے، شیخ ابوالفضل خلیل آفندی مرادی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۲۰۶ھ) اپنی تاریخ "سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" میں لکھتے ہیں کہ عارف کبیر شیخ مصطفیٰ البکری دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے دمیاط (مصر) کی جامع بحر میں قیام کے دوران شیخ ابی حامد شمس الدین محمد بن محمد البدیری الحسنی الشافعی الشاذلی المصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۴۳ھ) سے صحاح ستہ پڑھیں اور احادیث مسلسل بالاولیۃ، مصافحہ اور "انا احبک" کے الفاظ کے ساتھ ان تمام مرویات اور تالیفات کی اجازت پائی، دوسو بائیس کتب کے مصنف ہیں۔

☆ شیخ ابوالمطارم شمس الدین محمد بن سالم حفناوی شافعی خلوتی مصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۸۱ھ/ ۱۷۶۸ء) ۱۱۰۱ھ میں مصر کے گاؤں حفنہ میں پیدا ہوئے، جامعہ ازہر (قاہرہ۔ مصر) تعلیم حاصل کی اور یہیں استاد رہے، چند تصنیفات بھی ہیں، آپ کے احوال پر آپ کے شاگردوں شیخ حسن نوی مالکی مصری ثم مکی اور شیخ محمد دمنھوری حلباوی نے کتب تصنیف کیں۔

☆ شیخ ابوالبرکات احمد بن محمد الازہری الخلوتی المالکی المصری المعروف شیخ الدردیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ء) ۱۱۲۷ھ میں مصر میں پیدا ہوئے، جامعہ ازہر قاہرہ میں مدرس، مفتی مالکیہ، مجدد، متعدد تصانیف ہیں، آپ کی تصنیف "المورد البارق فی الصلوٰۃ علی افضل الخلائق" مشہور ہے، سلسلہ احمدیہ خلوتیہ آپ سے منسوب ہے، آپ کا مزار مشہور ہے اور لوگ حصول تبرک کے لیے وہاں جاتے ہیں۔

امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ سب شیوخ شریعت و طریقت کے جامع اور اللہ کے ولی تھے، اللہ

تعالیٰ ہمیں ان کی برکات سے نفع عطا فرمائے، آمین۔

علامہ شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی شافعی فلسطینی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء۔ مدفون بیروت، لبنان) فرماتے ہیں کہ میرے دوست عارف کامل، ولی کبیر، علامہ باکمال، ادیب وشاعر، صاحب تصانیف، قطب زمانہ شیخ سید ابوالاحوال محمد بن مصطفیٰ الجسر حنفی طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ (پ۔۱۲۰۸ھ/ ۱۷۹۳ء طرابلس، لبنان۔ ف ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۳۶ء فلسطین کے گاؤں ''لُد'' میں دفن ہوئے) نے جامعہ ازہر قاہرہ میں تعلیم حاصل کی، ان کے اساتذہ میں شیخ سید محمد بن حسین کتبی مصری مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء) خلیفہ مجاز امام احمد صاوی علیہ الرحمہ جیسے فاضل شہیر کا نام آتا ہے، راہِ طریقت میں آپ عارف ربانی شیخ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ تھے، شیخ احمد صاوی علیہ الرحمہ نے ۱۲۳۸ھ میں ان کو سلسلۂ احمدیہ خلوتیہ میں اجازت عطا فرمائی۔ آپ کے صاحبزادے شیخ سید حسین الجسر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء مولف ''الرسالۃ الحمیدیہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیۃ'') نے آپ کے مناقب میں کتاب ''نزہۃ الفکر فی مناقب مولانا العارف باللہ تعالیٰ قطب زمانہ وغوث اوانہ الشیخ محمد الجسر'' لکھی ہے، اسی کتاب میں لکھتے ہیں!

''ایک مرتبہ میرے والد ماجد شیخ محمد جسر رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ علامہ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ شیخ صاوی علیہ الرحمہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ سب حضرات حاجی مصطفیٰ الجسر رحمۃ اللہ علیہ (میرے دادا) کی فاتحہ پڑھیں، یہ سن کر میرے والد ماجد رونے لگے، حضرت شیخ صاوی علیہ الرحمہ انہیں تسلی دینے لگے اور ان کی پشت پر اپنا کریم ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جسر (یعنی پل) ہیں۔ اس واقعہ کے کافی دنوں بعد میرے والد ماجد کو میرے دادا کی وفات کی خبر ملی، امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے وصال کی خبر پہلے دے دی تھی، حالانکہ اس زمانے میں مصر اور شام کے درمیان نہ تو تار کا سلسلہ تھا اور نہ ہی ڈاک کا ٹھیک طرح سے انتظام تھا''۔

شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ احمد الصاوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے محتاج نہیں کہ ان کی ولایت وفضیلت کے لیے ان کی کرامات نقل کی جائیں، سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ آپ علمائے عاملین اور ہدایت یافتہ وہادی آئمہ علوم کے قائد اور کامل وعارف اولیاء اللہ کے شیخ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی برکات سے ہمیں نوازے۔

امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیگر علوم کی نسبت قرآن کریم سے خصوصی لگاؤ تھا، آپ نے تفسیر جلالین کا کامیاب حاشیہ لکھا جو چار جلدوں میں مطبوعہ ہے، آپ نے تفسیر صاوی کے مقدمہ میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ میں نے تفسیر جلالین اپنے استاد شیخ محمد سلیمان بن عمر بن منصور العجیلی الشافعی المصری المعروف شیخ جمل رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۰۴ھ) سے دو مرتبہ پڑھی اور ان کی مرتبہ شرح جلالین سے انتخاب کر کے یہ حاشیہ مرتب کیا، آپ کی یہ تفسیر ۱۲۹۵ھ میں پہلی دفعہ مصر سے شائع ہوئی۔

آپ کی دیگر تصانیف میں "الاسرار الربانیہ والفیوضات الرحمانیہ علی الصلوات الدردیریہ"۔ "بلغۃ السالک لاقرب المسالک فی فروع فقہ مالکی"۔ "حاشیہ انوار التنزیل بیضاوی"۔ "حاشیہ علی الخریدۃ البہیۃ الدردیر فی الکلام"۔ "حاشیہ علی جوہرۃ التوحید للقانی"۔ "حاشیہ علی شرح الدردیر علی رسالۃ فی علم البیان المسماۃ تحفۃ الاخوان"۔ "الفرائد السنیہ شرح الہمزیہ امام بوصیری" (امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ قصیدہ ہمزیہ کی اس شرح کے قلمی نسخے مکتبہ حرم مکی اور قومی کتب خانہ قاہرہ، مصر میں محفوظ ہیں۔)

آپ اپنے دستخط میں اپنا نام ایسے لکھتے تھے!

الفقیر احمد بن محمد الصاوی المالکی الخلوتی

آپ کا وصال ۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۵ء میں مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے والے بعض لوگوں کو آپ کے عقائد اور آپ کی تصانیف پسند نہیں، یہ لوگ آپ کا نام سنتے ہی اور آپ کی تالیفات کی عبارت دیکھتے ہی بدک جاتے ہیں، دو مثالیں درج ذیل ہیں۔

(ا)...... اہل سنت کے عالم باعمل مولانا صوفی اللہ دتہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۸۵ء) اپنی کتاب "تنویر الخواطر تحقیق الحاضر والناظر" مطبوعہ لاہور ۱۳۹۴ھ کے صفحہ ۶۰ پر لکھتے ہیں کہ!

"قرآن کریم کی جن آیات یا بعض احادیث سے جو غیر حاضر ناظر مفہوم ہوتا ہے، اس کے بارے میں عارف صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) "یہ عدم موجودگی جسمانی عالم کے اعتبار سے ہے تاکہ مخالف پر حجت قائم کی جائے، مگر باعتبار عالم روحانی پس آپ پر رسول کی رسالت اور جو کچھ اس کے ساتھ وقوع میں آیا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جسم شریف کے ظاہر ہونے تک آپ سب پر حاضر ہیں لیکن اہل عناد سے اس طریق پر خطاب نہیں کیا جاتا"۔

(تفسیر صاوی، مطبوعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۱۸۲)

اس عبارت کے جواب میں دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک مولوی محمد سرفراز خاں صفدر (گوجرانوالہ) اپنی کتاب ''تفریح الخواطر فی رد تنویر الخواطر'' مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۴۱۳ھ طبع دوم کے صفحہ ۱۲۲ پر لکھتے ہیں!

''بالکل جدید اور غیر معتبر مفسر صاوی کی کون مانتا ہے، یہاں صاوی اور پیلی، نیلی اور ہری کی کچھ نہیں چلتی، ایسے غیر مستند اقوال آپ کو اور آپ کی جماعت کو مبارک ہوں۔''

(۲)...... حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، گجرات، پاکستان (متوفی ۱۹۷۱ء) اپنی شہرہ آفاق کتاب ''جاء الحق'' مطبوعہ گجرات، پاکستان، سن طباعت ندارد، صفحہ ۲۱۲ پر لکھتے ہیں!

''تفسیر صاوی آخر سورہ قصص ولا تدع مع اللہ الھا اخر کی تفسیر میں ہے۔

(ترجمہ) یعنی یہاں لا تدع کے معنی ہیں نہ پوجو، لہذا اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ، کچھ مانگنا شرک ہے، خارجیوں کی یہ بکواس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعہ سے نفع نقصان دے، کبھی واجب ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔''

اس عبارت کے جواب میں مولوی محمد سرفراز خاں صفدر (گوجرانوالہ) اپنی کتاب ''گلدستہ توحید'' مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۹۹۴ء کے صفحہ ۱۱۵ پر لکھتے ہیں!

''مگر مفتی صاحب یہ بتانے کی مطلقاً زحمت گوارا نہیں کرتے کہ صاوی والا تیرھویں صدی کا غیر معتبر اور رطب و یابس اقوال جمع کرنے والا ایک نیم شیعہ مفسر ہے۔''

مولوی محمد سرفراز خاں صفدر نے حضرات انبیا کرام اور اولیا عظام کے فضائل و مناقب سے جل بھن کر جو کچھ لکھا ہے اور عارف باللہ امام احمد بن صاوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو دلی بغض و حسد کا جو اظہار کیا ہے اور تفسیر صاوی کے نام کا کس طرح مذاق اُڑایا ہے وہ قارئین کے سامنے ہے۔ سرائیکی اور پنجابی زبان میں لفظ ''ساوی'' کا معنی ہری (سبز) ہوتا ہے، مولوی سرفراز صاحب کی علمیت ملاحظہ فرمایئے کہ حرف ''ص'' والے لفظ صاوی کو حرف ''س'' والا لفظ ساوی سمجھا اور غصہ میں عقل سے ہاتھ دھو کر لکھا کہ ''یہاں صاوی پیلی، نیلی اور ہری کی کچھ نہیں چلتی'' حالانکہ لفظ صاوی مصر کے ایک قصبہ ''صاء الحجر'' کی نسبت سے ہے۔ اگر پونے دو سو سال پہلے کے امام احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ غیر معتبر اور جدید مفسر ہیں اور ان کی بات نہیں مانی جاسکتی تو مولوی سرفراز صاحب ان سے بھی زیادہ جدید مولوی ہیں، تو ایسے جدید اور غیر معتبر مولوی کی بات کون مانتا ہے۔ اب آیئے مولوی سرفراز صاحب کے گھر سے ہی امام احمد صاوی رحمۃ

اللہ علیہ کے معتبر ہونے کی گواہی ملاحظہ فرمائیے۔

مولوی غلام اللہ خاں ، راولپنڈی (متوفی ۱۹۸۰ء) نے اپنی کتاب "جواہر التوحید" میں اپنی تائید میں تفسیر صاوی کا حوالہ نقل کرتے ہوئے لکھا کہ "مفسر صاوی لکھتے ہیں" (جواہر التوحید ، افادات مولوی غلام اللہ خاں ، ترتیب سجاد بخاری مطبوعہ راولپنڈی ، صفحہ ۳۲۰)

مولوی دوست محمد قریشی دیوبندی ، کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ (متوفی ۱۹۷۴ء) نے اپنی کتاب "عظمت صحابہ" میں تفسیر صاوی مطبوعہ مصر کا حوالہ اپنی تائید میں لکھا۔ (عظمت صحابہ ، مطبوعہ مکتبہ اہل سنت احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور ، صفحہ ۴۴)

قاضی محمد زاہد الحسینی خلیفہ مجاز مولوی حسین احمد دیوبندی نے اپنی کتاب "تذکرۃ المفسرین" مطبوعہ اٹک ۱۴۰۱ھ کے صفحہ ۱۷۸ پر امام احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ اور تفسیر صاوی کا تعارف لکھا۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے مشہور مدرسہ خیر المدارس ملتان کے مفتی عبدالستار صاحب نے ایک سوال کے جواب میں اپنی تائید میں تفسیر صاوی کی عبارت نقل کی اور عبارت کے شروع لکھا کہ "علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" (خیر الفتاوی ، مرتبہ مفتی محمد انور ، مطبوعہ مکتبہ الخیر جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء صفحہ ۳۵۹)

oooooo

ماخذ و مراجع

اسماعیل پاشا بغدادی ، ہدیۃ العارفین ، مطبوعہ استنبول (ترکی)

عمر رضا کحالہ ، معجم المؤلفین ، مطبوعہ بیروت (لبنان)

یوسف بن اسماعیل نبہانی ، جامع کرامات الاولیا ، جلد اول (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور

خیر الدین زرکلی ، الاعلام ، مطبوعہ بیروت (لبنان)

عبدالحق انصاری ، مکہ مکرمہ کے کشمی علماء ، مطبوعہ فقیہ اعظم پبلی کیشنز بصیر پور ضلع اوکاڑہ

مختلف کتب علمائے دیوبند ،

حضور مفتی اعظم ہند کے مجموعۂ فتاویٰ
فتاویٰ مصطفویہ کا ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر سراج احمد قادری، ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی
محلہ بجریا۔خلیل آباد، ضلع سنت کبیر نگر، یوپی

فتویٰ لغت میں حکم شرع۔شرعی فیصلہ بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاحی طور پر ہر اس سوال کی جانکاری فراہم کرنا جس کا علم مستفتی یا سائل کو نہیں ہے۔ یا اگر ہے پھر بھی اس سوال سے متعلق مستفتی ایک دستاویز اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے جس کا وہ ضرورت پڑنے پر استعمال کر سکے۔

چونکہ اسلام کے اساسی پہلو میں یہ بات داخل وشامل ہے کہ علم کی روشنی پھیلے اور جہالت ولاعلمی کی تاریکیاں دور ہوں۔ اسی لیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حکم صادر فرمایا فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ لغوی اعتبار سے تو فتویٰ نویسی حکم شرع یا شرعی فیصلہ بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن فتاویٰ کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتیان کرام سے علم ومعاشرے سے متعلق ہر اس سوال کا جواب طلب کیا گیا جس کی لوگوں نے ضرورت محسوس کی۔ اور مفتیان کرام نے ان کے جوابات بھی دیے۔ ہماری نگاہوں کے سامنے حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے وہ نقوش زریں آج بھی "فتاویٰ رضویہ" کی شکل میں مہ تاباں کی مانند روشن ودرخشاں ہیں جس میں آپ سے علم ومعاشرے سے متعلق سوالات کیے گئے ہیں۔ چاہے وہ سائنس کے مسائل یعنی زمین کی گردش اور سورج کے مستقیم رہنے کا مسئلہ ہو، چاہے وہ کرنسی یعنی نوٹ کے مسائل ہوں یا نماز، روزہ، حج وزکوۃ یا ایمان وعقائد کے مسائل ہوں۔ جس بھی معاملے میں لوگوں نے آپ سے رجوع کیا آپ نے اس کا معقول ومدلل جواب مرحمت فرمایا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کی ایک خوبی جو میں نے محسوس کی وہ یہ ہے کہ آپ جب بھی کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو وہ کبھی بھی مخاصمانہ رویہ نہیں اختیار فرماتے۔ وہ سائل یا مستفتی کو اپنا حریف نہیں بناتے بلکہ آپ کی پوری پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ مستفتی مکمل طور پر ان کے پیش کیے ہوئے دلائل سے مطمئن ہو جائے۔ مستفتی یا سائل کے اطمینان کے لیے وہ اپنا پورا زور علم اور زور قلم صرف فرما دیتے ہیں۔ اس کے لیے وہ ایسی ایسی نادر ونایاب تشبیہات وتمثیلات کا استعمال فرماتے ہیں جس سے کہ مستفتی یا سائل کے ذہن میں نفس مسئلہ واضح طور پر بیٹھ جائے۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ پیش آنے والے

ایک واقعے کو بایں طور بیان فرماتے ہیں۔

''۱۳۰۲ھ میں فقیر بہ نسبت خاک بوسی آستانہ علیہ سلطان الاولیاء محبوب الٰہی حضرت نظام الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بریلی سے شد الرحال کر کے حاضر بارگاہ غیاث پور شریف ہوا تھا۔ دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا۔ اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی، فقیر نے حسب عادت کہ جو امر خلاف شرع مطہر پایا مسئلہ گزارش کر دیا۔ اگرچہ ان صاحب سے اصلاً تعارف نہ ہوا۔ ان مؤذن صاحب سے بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ کہا' کہاں لکھا ہے؟ میں نے قاضی خاں، خلاصہ، عالمگیری، فتح القدیر کے نام لیے۔ کہا' ہم ان کی نہیں مانتے۔ فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلدین سے ہیں۔ گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا' احکم الحاکمین جل جلالہٗ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپ انہیں کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے۔ مدعی و مدعا علیہ گواہوں کی حاضری کچہری کے کمرے کے اندر کھڑا ہو کر پکارتا ہے یا باہر۔ کہا، باہر۔ کہا' اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہرے گا یا نہیں۔ بولے، اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب ان کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کر لیا۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ الحمد للہ حق واضح ہو گیا۔'' ۳

ہندوستان میں فتویٰ نویسی کا آغاز اسلام کے فروغ و ارتقاء کے ساتھ ہی ہوا۔ مبلغین اسلام عوام الناس کے حلقے میں جا کر انہیں اسلام کی باتیں بتاتے اور سکھاتے تھے۔ جو باتیں لوگوں کو آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ جاتی تھیں اس کو لوگ اسی وقت قبول کر لیتے تھے۔ لیکن جو باتیں دقت طلب یا مشکل ہوا کرتی تھیں ان کے بارے میں لوگ مبلغین اسلام سے باہر باہر پوچھا کرتے تھے۔ اولاً تو افتاء اور استفتاء کا یہی طریقہ کار رہا مگر جوں جوں لوگ ترقی کرتے گئے اور تہذیبوں سے وابستہ ہوتے گئے استفتاء اور افتاء کے طریقہ کار میں بھی تبدیلی آتی گئی۔

بریلی میں افتاء کی بنیاد :- شہر بریلی میں افتاء کی بنیاد امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا امام العلما حضرت علامہ مفتی رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے انیسویں صدی کے نصف اوّل ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں رکھی۔ ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلی میں افتاء کی بنیاد رکھے جانے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

''تیرھویں صدی ہجری میں امام الاتقیا کے والد ماجد امام العلما مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں سرزمین بریلی پر مسندِ افتاء کی بنیاد رکھی۔ اور چونتیس ۳۴ سال تک فتویٰ نویسی کا کام بحسن و خوبی انجام دیا۔ امام العلما نے اپنے فرزندِ سعید مولانا نقی علی خاں کو خصوصی تعلیم دے کر مسندِ افتاء پر فائز کیا۔ مولانا نقی علی خاں نے مسندِ افتاء پر رونق افروز ہونے کے بعد سے ۱۲۹۷ھ تک نہ

صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علما و فقہا سے اپنی علمی بصیرت کا لوہا منوالیا۔ مولانا نے طویل عرصے تک ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جواب انتہائی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ فی سبیل اللہ تحریر کیے۔ مولانا کے فتاویٰ کا مجموعہ تیار نہ ہوسکا۔ اس لیے ان کی فتویٰ نویسی پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ لیکن مختلف علوم پر آپ کی مطبوع تصانیف آپ کے علم وفضل کی شاہد ہیں۔ آپ کی آراء کو علمائے عصر سند تسلیم کرتے تھے اور اپنے فتووں پر امام الاتقیا کی تصدیق لازمی وضروری سمجھتے تھے۔ آپ کے پاس عام طور پر فتاوے تصدیقات کے لیے آتے تھے۔ آپ انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اگر جوابات صحیح ہوتے دستخط کرکے مہر ثبت کر دیتے تھے۔ اور اگر جواب غلط ہوتے تو علیحدہ کاغذ پر جواب لکھ دیتے تھے۔ کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ اس بارے میں آپ کے شاگرد مفتی حافظ بخش انولوی لکھتے ہیں۔ ”مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں اگر صحیح ہوتے ہیں مہر ثبت فرماتے ہیں اور جو خلاف کتاب ہوتے ہیں جواب علیحدہ سے لکھ دیتے ہیں کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے۔“ [۳]

مفتی کے اوصاف : مفتی کو کن کن خوبیوں سے متصف ہونا چاہیے یہ ایک اہم پہلو ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں التحقیق ان المفتی فی الوقائع لا بدله من ضرب اجتهاد و معرفة باحوال الناس. یعنی مسائلِ جدیدہ کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مفتی اجتہادی قوت کا حامل ہو اور لوگوں کے حالات کا عالم ہو۔ [۴]

مفتی کے اندر قوتِ اجتہادی، بیدار مغزی، ذہانت و فطانت اور تبحر علمی کا ہونا ضروری ہے۔ نیز مفتی کے اندر سب سے بڑی جس خوبی کا ہونا ضروری ہے وہ ہے ”ماہر نفسیات“ کا ہونا۔ اس لیے کہ مفتی سے طلب کیے جانے والے استفتے یا سوالات کا ایک منظر اور پس منظر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی مستفتی یا سائل اپنی منشاء کو واضح طور پر بیان کر دیتا ہے۔ جس سے مفتی کو جواب تحریر کرنے میں کسی طرح کی کوئی دقت نہیں ہوتی۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مستفتی اپنے سوال کو گھما پھرا کر یا گنجلک کرکے اپنے مقصد کی برآری کے لیے مفتی سے استفتاء کرتا ہے۔ ایسی صورت میں مفتی کا ماہر نفسیات ہونا ضروری ہوتا ہے جس سے کہ وہ سائل کے سوال اور اس کی منشاء کی تہہ تک پہونچ سکے۔ یا پھر اس کی منشاء کو جاننے کے لیے مستفتی کو لکھے کہ آپ اپنا سوال واضح لفظوں میں لکھ بھیجو۔ چنانچہ اس کی ایک مثال فتاویٰ رضویہ سے ملاحظہ ہو۔

مسئلہ : از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راول پنڈی، ڈاک خانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷ رشوال ۱۳۳۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدعی کے تین شاہد شہادت دیتے ہیں کے والد دختر نا بالغ نے سفر سے ایک خط اپنے بھائی کو لکھا کہ میری دختر نابالغہ فرحان بی بی کا ناتا یا نکاح جس جگہ تمہاری مرضی ہو کر دو۔ ہم لوگ اس کاغذ کے سامعین ہیں۔ بعدہٗ اس وکیل والد کے ایک لڑکے نابالغ مسمی کشمر کہ جس کا

کوئی عصبہ زندہ نہیں ہے کنایہ یہ نکاح کے طور پر کر دیا تھا اور لڑکے معلوم کی طرف سے اس کے ماموں نے اس کے لیے قبول کر لیا ہے۔ اور ہم نے یہ نکاح ہی سمجھا ہے۔ یہ تقریر شاہدین مدعی کی بتمامہ ہے۔ اب والد دختر معلولہ کا سفر سے بالکل منکر ہے۔ اور گواہ اُس کے بھی منکر ہیں تقریر بالا سے یا کہتے ہیں کے ناتا ہوا ہے، نکاح حالانکہ وکیل فوت ہو گیا ہے اور کاغذ بھی کھو گیا ہے۔ بینوا توجروا۔ قیمت کاغذ دی جائے گی۔

الجواب: بات صاف لکھئے۔ ایجاب کس نے کیا قبول کس نے کیا۔ یجاب کے کیا لفظ تھے قبول کے کیا لفظ تھے؟ لڑکی کا چچا جس کو اس کے باپ نے وکیل کیا تھا اس نے خود پڑھایا تھا یا کسی سے پڑھوایا تھا یا کسی نے بطور خود پڑھ دیا تھا؟ اور وہ وکیل والد اس جلسے میں موجود تھا یا نہ تھا۔ اور جب والد لڑکے کا موجود تھا تو لڑکے کی طرف سے ماموں نے کیوں قبول کیا؟ والد پسر کے کہنے سے یا بطور خود اور والد پسر نے اس پر کیا کہا۔ اور جب وہ الفاظ کنایہ تھے تو ان لوگوں نے کس قرینہ سے نکاح ہونا سمجھا اور دختر کا والد کس بات سے منکر ہے۔ اس وکیل کرنے سے یا نکاح ہونے سے۔ اور وہ خط ڈاک میں آیا تھا یا آدمی کے ہاتھ اور یہ جو مدعی کے تین گواہ ہیں ان کے سامنے پڑھا گیا۔ یا ان کے سامنے والد دختر نے لکھا تھا۔ اور یہ گواہ ثقہ پرہیزگار ہیں یا کیسے۔ ان سب باتوں کے مفصل جواب آنے پر جواب ہو سکے گا۔ قیمت کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتویٰ اللہ کے لیے دیا جاتا ہے بیچا نہیں جاتا۔ آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھئے فقط۔" ۵

مفتی کے پاس کبھی کبھی اس طرح کے بھی استفتے آتے ہیں کہ سوال کا پس منظر ایک ہوتا ہے۔ جگہ ایک ہوتی ہے مگر مستفتی دو یا دو سے زائد ہوتے ہیں۔ اور ان میں جو سب سے بڑا فرق ہوتا ہے وہ یہ کہ موضوع تو دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے مگر اسلوب تحریر میں گھماؤ پھراؤ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مفتی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دونوں مستفتیان کے موضوع اور اسلوب کا گہری نظر سے جائزہ لیں اور نفسیاتی اعتبار سے پرکھیں کہ سائل کے اس سوال کے پیچھے اس کی منشاء کیا ہے؟ اس کے بعد ہی جواب تحریر کرے۔ اس وقت میرے پیش نظر حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ مجموعہ "فتاویٰ رضویہ" کی دوسری جلد ہے۔ جس میں ایک ہی مقام سے دو حضرات نے ایک ہی موضوع پر استفتے طلب کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ: از شہر بریلی محلہ خواجہ قطب مسئولہ منشی رضا علی صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ۔

کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ ٹھلیے کی رسّی جس میں ایک کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ اور جو بیل کے سینے کے نیچے باندھی جاتی ہے کنویں میں ڈالی گئی۔ جس نے کپڑا رسی پر لپیٹا تھا اس کا بیان ہے کہ کپڑا پاک لپیٹا تھا۔ لوگوں کا شبہہ ہے کہ بیل کے گوبر یا پیشاب کی چھینٹیں شاید پڑی ہوں۔ ایسی صورت میں کنواں پاک رہا یا ناپاک ہوا۔ اگر ناپاک ہوا تو کس قدر پانی نکالنا چاہیے۔

الجواب: کنواں پاک ہے اصلاً کچھ نکالنے کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از شہر بریلی محلہ خواجہ قطب مسئولہ مسعود علی صاحب ۲؍رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ٹھیلے میں بیل کے جوتنے کے لیے بیل کے سینہ بند اور گردن میں ایک رسّی بندھی ہوئی تھی اور اس کے سینے اور گردن کی خراش بچانے کے واسطے ایک بے نمازی عورت کا میلا دوپٹا رسی پر لپیٹا ہوا۔ جو کہ عرصہ دراز تک استعمال میں آچکا ہے۔ اس حالت میں ظن ہے کہ رسّی اور کپڑا گوبر اور پیشاب کی آلودگی سے یا اس خون اور رطوبت سے جو بیل یا پہیے کی رگڑ سے کھال چھلنے کے بعد نکلتا ہے نہیں بچا ہوگا۔ وہ کنویں میں گر گیا۔ اس حالت میں کنواں پاک ہے یا نجس۔

الجواب: بے نمازی عوت کا میلا دوپٹا ہونے سے اس کی ناپاکی لازم نہیں نہ عرصہ دراز تک استعمال سے۔ نہ سینے کی رسّی کو گوبر اور پیشاب سے علاقہ۔ رہا کھال چھل کر خون نکلنا یہ ثبوت طلب ہے۔ نکلا ہوگا کافی نہیں۔ یہ معلوم وثابت وتحقیق ہونا لازم کہ واقعی خون وغیرہ نجس رطوبت نکل کر اس کپڑے میں لگی تھی۔ اس تحقیق کے بعد ضرور کنواں ناپاک مانا جائے گا۔ اور کل پانی نکالنے کا حکم ہوگا۔ ورنہ وہم وشک پر نجاست نہیں ہوسکتی۔ ایسا ہی زیادہ شک ہو تو بیس ۲۰ ڈول نکال دیں جن سے مقصود نہ کنواں بلکہ اپنے دل کا شک سے پاک کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" ۶

اگر دونوں مستفتیان کے سوالات کا ایک تجزیاتی ونفسیاتی مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ پہلے سوال کے سائل یا مستفتی کا مطمح نظر کنویں کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے کے بارے میں جانکاری حاصل کرنا ہے۔ جس کا جواب مجدد اعظم نائب امام اعظم حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک سطر میں تحریر فرمایا "کنواں پاک ہے اصلاً کچھ نکالنے کی حاجت نہیں" لیکن اگر دوسرے مستفتی کے سوال کا ایک نفسیاتی مطالعہ کریں تو آپ کے سامنے چند باتیں ابھر کر آئیں گی۔ (۱) بے نمازی عورت کے دوپٹے کا ہونا۔ (۲) عرصہ دراز تک اس کا استعمال (۳) رسّی اور کپڑے کا گوبر اور پیشاب سے آلودہ ہونے کا شک (۴) بیل اور پہیے کی رگڑ سے کھال چھلنے کے بعد خون اور پیشاب کے نکلنے کا شک۔

حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سائل کے سوال کا بڑی گہرائی کے ساتھ نفسیاتی مطالعہ کیا اور اس کے بعد سائل کے تمامی شکوک وشبہات کا جواب بڑے ہی جامع انداز میں تحریر فرمایا۔ چنانچہ سائل کے پہلے شک کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "بے نمازی عورت کا میلا دوپٹا ہونے سے کنویں کی ناپاکی لازمی نہیں" دوسرے شک کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"عرصہ دراز تک استعمال سے نہ سینے کی رسّی کو گوبر اور پیشاب سے علاقہ ہے۔"

تیسرے شک کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''رہا کھال چھل کر خون نکلنا ثبوت طلب ہے۔ نکلا ہوگا کافی نہیں۔ یہ معلوم و ثابت و تحقیق ہونا لازمی کہ واقعی خون وغیرہ نجس رطوبت نکل کر اس کپڑے میں لگی تھی۔ اس تحقیق کے بعد ہی کنواں ناپاک مانا جائے گا اور پانی نکالنے کا حکم ہوگا۔ ورنہ وہم و شک پر نجاست نہیں ہوسکتی۔''

اور آگے کا جملہ تو اتنا پیارا ہے کہ جس کو بار بار پڑھنے پر ایمان کی حلاوت و تر و تازگی محسوس ہوتی ہے۔ اس جملے نے جہاں سائل کے سارے ذہنی شکوک و شبہات کا قلع قمع کر دیا وہیں سائل کو اطمینانِ کامل بخشتے ہوئے اس کے ایمان کو اضعافاً مضاعفا کا درجہ عطا کر دیا۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

''ایسا ہی زیادہ شک ہو تو بیس ۲۰ ڈول نکال دیں جس سے مقصود نہ کنواں بلکہ اپنے دل کا شک سے پاک کرنا ہے۔''

علم النفس: نفسیات کا موضوع بہت وسیع ہے۔ اور اس موضوع پر جہاں مغربی افکار و خیالات کی نمائندگی کرنے والے لٹریچر بازار میں معبود ہیں۔ وہیں قرآن و حدیث کی روشنی میں علم النفس کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں بھی موجود ہیں۔ اور میں تو اس حد تک زور دے کر یہ بات کہنا چاہونگا کہ مغربی مفکرین نے تو اپنے ذاتی علم و مشاہدہ کی بنا پر علم النفس کے موضوع پر کتابیں اور لٹریچر تصنیف و تالیف کیے ہیں۔ مگر قرآن مقدس جو ایک الہامی کتاب ہے۔ اس کی ایک ایک آیت علم النفس کا منبع و مخزن ہے۔ اور احادیثِ رسول ﷺ قرآن پاک کی تشریح و توضیح اور علم النفس کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ملاحظہ ہو احادیثِ رسول ﷺ سے علم النفس کی ایک مثال۔۔۔۔۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ فضل ابن عباس، رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے، ایک عورت آکر رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے لگی تو فضل ابن عباس اس عورت کو دیکھنے لگے، رسول اکرم ﷺ نے ان کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔ حضرت جریر کی روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے اچانک پڑنے والی نظر کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا فوراً اپنی نگاہ پھیر لو۔

رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ مردوں کو نصیحت فرمائی کہ جب وہ خوبصورت عورت کو دیکھ لیں جس سے ان کی جنسی شہوت بھڑک اُٹھے تو اپنی بیویوں سے جماع کرلیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ان کی شہوت ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور اس پر کنٹرول کرنے میں مدد ملے گی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت پسند آئے اور دل میں کھپ جائے تو وہ اپنی عورت کے پاس جاکر اس سے جماع کرلے کیونکہ اس سے دل کے وساوس ختم ہو جائیں گے۔ ؎

مذکورہ بالا احادیثِ رسول پر کسی طرح کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے مفاہیم اپنے آپ میں بذاتِ خود واضح ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت نبی اکرم امی و ابی فداہ ﷺ نے حضرت فضل ابن عباس کی

نفسیات کو کس طرح محسوس کیا اور پھر اس کا علاج کتنے معقول انداز میں فرمایا۔ شاید کہ اس طرح کا علاج بروقت کوئی ماہر نفسیات بھی نہ کر پاتا۔

چونکہ مفتیانِ اسلام کو نائب رسول کا درجہ حاصل ہے اس لیے ضروری ہے کہ جو بھی حضرات اس عظیم منصب پر فائز ہوں وہ خدا ترس اور علم و فضل کے جامع ہوں۔ صائب النظر، دقیق بیں، نقطہ رس، قوت اجتہادی کے مالک، عوام الناس کے احوال سے واقف اور ماہر نفسیات ہوں۔ اس لیے کے فتویٰ نویسی کا فن محض درس نظامی کی سند اور فراغت حاصل کر لینے سے نہیں آجاتا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی ماہر مفتی کی صحبت میں رہ کر اس کے اسرار و رموز میں لیاقت حاصل کی جائے۔ چنانچہ "فتاویٰ حامدیہ" کے تقدیم نگار تحریر فرماتے ہیں۔

محض درسی کتب پڑھ لینے سے علمِ فقہ و فتویٰ حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اکثر علما اور بیشتر اہل مدرسہ یہ سمجھتے ہیں کہ درسِ نظامیہ کا ہر وہ فارغ التحصیل جو قدرے صلاحیت رکھتا ہو فتویٰ دے سکتا ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی قدس سرہ القوی فرماتے ہیں۔ "آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں داخل نہیں ہوتا" دوسری جگہ یوں رقم طراز ہیں "علم الفتویٰ پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔" [8]

آپ نے دیکھا حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح اور صاف لفظوں میں تحریر فرما دیا کہ آدمی صرف درسی کتابیں پڑھ لینے سے فقیہہ اور مفتی نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ آپ اپنی فتویٰ نویسی اور مشق و مُزاولت (کسی کام کو ہمیشہ کرنا) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"فتاویٰ رضویہ کی تدوین و ترتیب کا سبب یہ ہوا کہ میرے آقا و والد، سایۂ رحمت الٰہی، خاتم المحققین، امام مدققین، فتنوں کو مٹانے والے، سنتوں کی حمایت فرمانے والے ہمارے سردار و مولیٰ حضرت مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی نے (اللہ ان کی مرقدِ انور پر ہمیشہ اپنی رضا کے مینھ برسائے) مجھے چودہ شعبان المعظم کو فتویٰ لکھنے پر مامور فرمایا جب کہ میری عمر پورے چودہ سال نہ ہوئی تھی کیونکہ میری ولادت ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ کو ہوئی۔ میں نے فتویٰ دینا شروع کیا۔ اور جہاں میں غلطی کرتا حضرت قدس سرہ اصلاح فرماتے۔ اللہ عزوجل ان کی مرقدِ پاکیزہ کو بلند و معطر فرمائے۔ سات برس کے بعد مجھے اذن فرما دیا کہ اب فتویٰ لکھوں اور بغیر حضور کو سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں۔ مگر میں نے اس پر جرأت نہ کی یہاں تک کہ رحمٰن عزوجل نے حضرت والا کو سلخ ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ میں اپنے پاس بلا لیا۔" [9]

آپ نے دیکھا کے افتاء کا کام کس قدر دشوار ہے۔ اور حضو سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے احوال و کوائف بیان کیے ان کے مطالعے سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو

جاتے ہیں کہ سات سال تک اپنے والد ماجد کی صحبتِ خاص میں رہ کر افتاء کا کام سیکھا اور اس فن میں عبور بھی حاصل کرلیا۔ والد ماجد نے اجازت بھی دے دی کہ اب آپ مجھے بغیر سنائے ہی سائلوں کو جواب بھیج سکتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود جب تک آپ کے والد ماجد باحیات رہے بغیر ان کو دکھائے یا سنائے سائلوں کو جواب نہیں بھیجا۔ مگر آج ماحول اس کے برعکس ہے میں اپنے گرد و پیش ہی میں دیکھ رہا ہوں کہ جو لوگ کل تک اپنے نام کے ساتھ علامہ، مولانا، وغیرہ القاب و آداب تحریر کرتے کراتے تھے۔ شاید کہ ان کو مذکورہ القاب و آداب سے تسلی نہیں ہوئی۔ اور انہوں نے زمانے کی روش کے پیش نظر اپنے تمام کے ساتھ ''مفتی'' کا لقب بھی لکھنا پڑھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ نے کس قدر دل کو چھو جانے والی بات تحریر کی ہے، فرماتے ہیں۔

''پھر اس زمانے میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ بحمدہٖ تبارک و تعالیٰ مدارسِ دینیہ کی کثرت ہے اور ہر مدرسے والے دارالافتاء کا بورڈ لگائے ہوئے ہیں اور مفتی بیٹھائے ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر کے فتاویٰ دیکھ کر رونا آتا ہے۔ کسی دل جلے نے مکاتب اسلامیہ کا حال دیکھ کر کہا تھا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاّ ۔۔۔ کار طفلاں تمام خواہد شد

اور اب مجھے اپنے زمانے کا حال دیکھ کر کہنا پڑتا ہے۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں مفتی ۔۔۔ کار افتاء تمام خواہد شد

عوام بے چارے الگ پریشان ہوتے ہیں کہ آخر فلاں بھی تو مفتی ہے اس نے یہ فتویٰ دیا ہے۔[۱۰]

حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی حیات مبارکہ میں ہی لائق و فائق مفتیانِ کرام کی کمی محسوس کی تھی۔ چنانچہ وہ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''آہ، آہ آہ! ہندوستان میں میرے زمانۂ ہوش میں دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول و فروع و عقائد و فقہ سب میں اعتمادِ کلی کی اجازت تھی۔ اول اقدس حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہٗ الماجد حاش للہ، نہ اس لیے کہ وہ میرے والد و والی ولی نعمت تھے۔ بلکہ اس لیے کہ الحق والحق اقول، الصدق واللہ یحب الصدق۔ میں نے اس طبیب صادق کا برسوں مطب پایا اور وہ دیکھا کہ عرب و عجم میں جس کا نظیر نظر نہ آیا۔ اس جناب رفیع قدس اللہ سرہ البدیع کو اصولِ حنفی سے استنباط فروع کا ملکہ حاصل تھا۔ اگرچہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ نادر و دقیق و معضل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتب متداولہ میں جس کا پتہ نہیں۔ خادم کمینہ کو راجعت کتب و استخراج جزئیہ کا حکم ہوتا اور ارشاد فرماتے ''ظاہراً حکم یوں ہونا چاہئے'' جو وہ فرماتے وہی نکلتا۔ یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا تو زیادت مطالعہ نے واضح کر دیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ عجم کی حالت میں آپ ملاحظہ ہی فرماتے ہیں، عرب کا

حال یہ ہے کہ اس جناب قدس سرہ کا یہ ادنیٰ خوشہ چیں جو مکہ معظمہ میں اس بار حاضر ہوا۔ وہاں کے اعلم العلما وافقہ الفقہا سے ۶۔۶ گھنٹے مذاکرہ علمیہ کی مجلس گرم رہتی۔ جب انہوں نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ فقہ حنفی کے دو حرف جانتا ہے۔ اپنے زمانہ کے عہد افتاء کے مسائل کثیرہ جن میں وہاں کے علما سے اختلاف پڑا یا اشتباہ رہا۔ اس ہیچ میرز پر پیش فرمانا شروع کیے۔ جس مسئلہ وحکم میں اس احقر نے ان کی موافقت عرض کی آثار بشاشت ان کے چہرۂ نورانی پر ظاہر ہوئے۔ اور جس میں عرض کر دیا کہ فقیر کی رائے میں حکم اس کے خلاف ہے۔ سماع دلیل سے پہلے آثار حزن نمایاں ہوئے۔ اور خیال فرمالیتے کہ ہم سے اس حکم میں لغزش واقع ہوئی۔ یہ اسی طبیب حاذق کی کفش برداری کا صدقہ ہے...... دوم والا حضرات تاج القول محب رسول مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف پچیس برس فقیر کو اس جناب سے بھی محبت رہی۔ ان کی اسی وسعتِ نظر وقوتِ حفظ وتحقیق انیق ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی۔ ان دونوں آفتاب و ماہتاب کے غروب کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نسبت عرض کروں کہ آنکھیں بند کرکے اس کے فتویٰ پر عمل ہو۔ [11]

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی فتویٰ نویسی

حضور مفتیٔ اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سے لے کر وصال تک روحانیت ان کے سر پہ سایۂ فگن رہی۔ حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی تھی کہ "اے رب کریم! مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصۂ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے۔" [12]

مجدد وقت، عاشقِ رسول، واصفِ شاہ ہدیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا بارگاہ رب قدیر میں مستجاب ہوئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور مفتیٔ اعظم ہند قبلہ کو ۹۲ سال کی عمر دراز عطا فرمائی۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲ر نومبر ۱۹۸۲ء میں وصال فرمایا۔ اس طرح کل ملا کر ۹۲ سال تک دین متین کی خدمت فرمائی۔

میرے اپنے خیال میں دین کی خدمت فتاویٰ نویسی سے بہتر انداز میں نہیں ہوسکتی اس لیے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے "سب سے افضل وہ مومن عالم ہے کہ جب اس کی طرف رجوع کیا جائے تو وہ نفع دے اور جب اسے بے نیازی برتی جائے تو وہ بھی بے نیاز ہو جائے۔" [13] اسی لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ نویسی ہی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور ایک عالم نے آپ کی طرف رجوع کرکے فائدہ اٹھایا۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند نے بھی اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چل کر فتویٰ نویسی کو اپنا شعار زندگی بنایا اور پوری دنیائے سنیت کو فائدہ پہنچایا۔ اسی لیے دنیا آپ کو مفتیٔ اعظم ہند

کے لقب سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ اربابِ اہل سنت میں جب بھی اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے تو تبادر ذہنی آپ ہی کی طرف ہوتا ہے۔

حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اور حضور مفتیٔ اعظم ہند کی فتاویٰ نویسی کا اگر ایک ہمہ ہنگیانہ جائزہ لیا جائے تو بہت ساری باتیں قدرِ مشترک کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد امام الاتقیا مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ نویسی سیکھی۔ اور امام الاتقیا نے اپنی زندگی ہی میں امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو فتویٰ نویسی کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند نے بالاستیعاب امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ نویسی کا کام تو نہیں سیکھا مگر حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ رب العزت میں جو مذکورہ دعا کی تھی اس کی اجابت نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کے اندر وہ شعور و آگہی پیدا کردی تھی جس کی بنا پر انہوں نے بھی اپنے والد ماجد کی طرح پہلا فتویٰ رضاعت کے موضوع پر قلم برداشتہ لکھ کر بریلی کے مرکزی دارالافتاء کے دو کہنہ مشق مفتیانِ کرام (۱) ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اور (۲) علامہ عبدالرشید عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو انگشت بدنداں کردیا۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند نے لگ بھگ پون صدی تک فتویٰ نویسی کا کام انجام دیا۔ اگر اس تناظر میں فتاویٰ مصطفویہ کو دیکھا جائے تو اس کی ضخامت اور اس میں مندرج فتاویٰ کی تعداد بہت کم لگتی ہے۔ جب کہ حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا فتویٰ ہی دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا۔

......تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں، اب فتویٰ لکھا کرو اپنا رجسٹر بنالو اس میں نقل بھی کیا کرو۔ ۱۴

حضور مفتیٔ اعظم ہند کے مجموعہ فتاویٰ "فتاویٰ مصطفویہ" کی ترتیب و تہذیب کا کام اولاً الحاج قربان علی صاحب حامدی اور مولانا ڈاکٹر فیضان علی صاحب بیسل پوری نے انجام دیا۔ انہوں نے اس کے ماخذ اور اس کی ترتیب و تدوین کا کون سا طریقہ کار اختیار کیا اس کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملتا۔ چنانچہ علامہ محمد حنیف خاں صاحب صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ بھی عالی مرتبت الحاج قربان علی صاحب کی محنت و لگن اور تلاش و جستجو کا نتیجہ و ثمرہ ہے کہ آپ نے جو کچھ جواہر پارے ڈھونڈ نکالے اور ان کو شائع کر کے ہم سب پر احسان عظیم فرمایا۔ ورنہ اس ذخیرہ سے شاید اُمت مسلمہ کو کچھ بھی ہاتھ نہ آتا۔" ۱۵

جب کہ الحاج قربان علی اور ڈاکٹر مولانا فیضان علی بیسل پوری صاحبان کو اولاً فتاویٰ مصطفویہ کی ترتیب و تدوین کے لیے اس رجسٹر کی تلاش و جستجو کرنا چاہئے تھی جس کے بارے میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے فرمایا تھا "اپنا رجسٹر بنالو اس میں نقل بھی کیا کرو" میرے اپنے خیال

میں ''فتاویٰ مصطفویہ'' کا یہ مجموعہ اس کے مرتبین نے ان منتشر فتاوؤں سے بنایا ہے جو مذکورہ رجسٹر کے علاوہ ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کے اس رجسٹر کو ڈھونڈ نکالا جائے جس میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کو ان کے اپنے تحریر کردہ فتاویٰ کو نقل کرنے کا حکم دیا تھا۔ یقیناً حضور مفتیٔ اعظم ہند نے حضور سیدی اعلیٰ حضرت کے حکم پر کوئی نہ کوئی رجسٹر نقل فتاویٰ کے لیے ضرور بنایا ہوگا۔

فتاویٰ مصطفویہ کی ثانوی جز بندی کا کام فقیہ ملت حضرت علامہ الحاج مفتی جلال الدین احمد امجدی نور اللہ مرقدہ نے فرمائی ہے۔ یقیناً اس مجموعۂ فتاویٰ کو درجہ اعتبار عطا کرنے کے لیے اس کی پیرا بندی، حواشی وحوالاجات کا اہتمام ضروری تھا۔ جسے رضا اکیڈمی ممبئی نے ۲۰۰۰ء میں نہایت ہی تزک و اہتمام کے ساتھ شائع فرمایا۔ اس کی ایک جلد برادر محترم حضرت علامہ انوار احمد امجدی مدظلہ العالی، مالک کتب خانہ امجدیہ دہلی نے اس ناچیز کو عنایت فرمائی جس کے سبب یہ مقالہ معرض وجود میں آسکا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس نوازش کو شرف قبولیت کا درجہ عطا فرمائے آمین۔ فتاویٰ مصطفویہ کے اس ایڈیشن میں کچھ اور فتاوے بھی شامل اشاعت کیے گئے ہیں جس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں۔

اس کتاب کا پورا تاریخی نام ''الکرمۃ النبویہ فی الفتاوی المصطفویہ ۱۳۲۹ھ'' ہے۔ یہ پہلے چھوٹے تین حصوں میں طبع ہوا تھا۔ اس کا پہلا حصہ ایمان وعقائد کے بارے میں بغیر فہرست مضامین ایک رسالہ سمیت ۴۳ فتاویٰ کا مجموعہ تھا۔ جو ۱۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ اور دوسرے حصہ میں بھی بغیر فہرست نماز اور احکام مسجد سے متعلق ۷۱ فتاوے تھے۔ جو ۱۱۲ صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ اور اس کے تیسرے حصہ کا آغاز بھی طہارت ونماز کے بقیہ مسائل سے ہوا تھا اور پھر ابواب فقہ کی ترتیب پر جنائز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نکاح و طلاق، بیوع اور وقف اجارہ وغصب اور خطر واباحت وغیرہ کے مسائل پر مشتمل فہرست مضامین کے ساتھ کل ۲۵۳ فتاویٰ کا گنجینہ تھا۔ یعنی پہلے تین حصوں میں کل ۳۶۷ فتاوے تھے۔ اور اب یہ مجموعہ فتاویٰ مکمل فہرست کے ساتھ تین رسائل اور ۳۹۰ مسائل پر مشتمل ہے۔...... [۱۶] نیز آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

کتاب مکمل ہونے کے بعد جو فتاوے موصول ہوئے وہ ضمیمہ کے تحت اس مجموعہ میں شامل کیے گئے ہیں اور مبادیات کے صفحات اصل کتاب سے الگ کر دیئے گئے۔ تاکہ ضرورت پر ان میں بہ آسانی حذف واضافہ کیا جاسکے۔ [۱۷]

''فتاویٰ مصطفویہ'' کے فتاویٰ کا اعداد وشمار جو اس ناچیز نے ابواب وار کیا ہے اس کے اعتبار سے ان کی کل تعداد ۳۵۹ ہے۔ جس میں ان فتاوؤں اور رسائل کا شمار نہیں کیا جس کو فقیہ ملت نے ضمیمہ کے تحت ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفصیل۔

۱۔	کتاب الایمان۔ عقیدے کا بیان	۴۵
۲۔	کتاب الطھارۃ۔ طہارت کا بیان	۱۰
۳۔	کتاب الصلاۃ۔ نماز کا بیان	۵۹
۴۔	احکام مسجد۔	۲۱
۵۔	باب الجنائز۔ جنازہ وغیرہ کا بیان	۰۶
۶۔	کتاب الزکاۃ۔ زکوۃ کا بیان	۰۴
۷۔	کتاب الصوم۔ روزہ کا بیان	۰۴
۸۔	کتاب الحج۔ حج کا بیان	۰۱
۹۔	کتاب النکاح۔ نکاح کا بیان	۳۲
۱۰۔	کتاب الرضاع۔ رضاعت کا بیان	۰۲
۱۱۔	کتاب الطلاق۔ طلاق کا بیان	۲۶
۱۲۔	باب اللعان۔ لعان کا بیان	۰۱
۱۳۔	کتاب الوقف۔ وقف کا بیان	۱۰
۱۴۔	کتاب البیوع۔ خرید وفروخت کا بیان	۰۲
۱۵۔	باب الربوا۔ سود کا بیان	۱۴
۱۶۔	باب القرض۔ قرض کا بیان	۰۱
۱۷۔	کتاب الھبہ۔ ہبہ کا بیان	۰۱
۱۸۔	کتاب الاجارہ۔ اجارہ کا بیان	۰۲
۱۹۔	کتاب الغصب۔ غصب کا بیان	۰۱
۲۰۔	کتاب الذبائح۔ ذبح کا بیان	۰۷
۲۱۔	کتاب الحظر والاباحۃ۔ خطر واباحت اور متفرق مسائل	۱۰۱
۲۲۔	کتاب الوصایا۔ وصیت کا بیان	۰۲
۲۳۔	کتاب المیراث۔ وارثت کا بیان	۰۷
		۳۵۹

فتاویٰ مصطفویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر وبیشتر فتاویٰ میں تاریخ کے درج کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ اور اگر کیا بھی گیا ہے تو اس میں تساہلی برتی گئی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ مصطفویہ شائع کردہ رضا اکیڈمی ممبئی کے ایڈیشن کے ص ۱۰۸ پر ایک استفتاء میں درج تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ

نے دس ہی سال کی عمر میں اس فتوئی کو تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو تفصیل۔

استفتاء میں درج تاریخ ۱۳۳۸ھ

تاریخ ولادت ۱۳۲۸ھ

۱۰

جب کہ آپ کی سوانح حیات پر لکھی جانے والی کتابیں، مقالے اور مضامین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلا فتوئی ۱۸ ر سال کی عمر میں تحریر فرمایا۔

فتاویٰ نویسی میں آپ کی دیدہ وری : دارالافتاء میں عمومی طور پر جو سوالات آتے ہیں ان کے جواب تو آسان ہوا کرتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی ایسے مشکل سوالات بھی آجاتے ہیں۔ جس میں قوتِ فکر کام نہیں کرتی اور بار بار غور وخوض کرنے کے بعد بھی دماغ کام نہیں کرتا کہ اس کا کیا جواب تحریر کیا جائے؟ ایسی صورت میں اگر قوتِ اجتہادی اور نفسیات کا استعمال نہیں کیا جائے گا تو کوئی جواب نہیں بن پائے گا۔ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی اس طرح کے سوالات پیش ہوئے اور آپ نے اس پر ایک نظر ڈالتے ہی نفسیات کے ذریعہ بھانپ لیا کہ اس کا کیا جواب ہونا چاہیے اور فوری جواب تحریر فرما کر لوگوں کو انگشت بدنداں کر دیا۔ چنانچہ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''جس نے یہ نکاح کیا اس پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہو جائے۔ وہ عورت مرد اور اس نکاح کے ساعی و شرکاء جو اس سے واقف تھے کہ یہ نکاح نانا کی زوجہ سے اس کے نواسہ کا ہو رہا ہے گنہگار ہوئے وہ مفتی بھی۔ خدا اسے اور سب کو توبہ و رجوع کی توفیق دے اور معاف فرمائے۔

یہ فتوئی غلط دیا مگر کسی مسلمان اور پڑھے لکھے انسان کی طرف یہ گمان کہ اس نے جان بوجھ کر ایسا غلط فتوئی دیا بدگمانی ہے اور بدگمانی خود ممنوع ہے۔ اگر اس نے بے بجھی سے ایسا عجلت میں کہا یا بجھ کر دانستہ غلط کہا تو بہر حال اس مفتی سے گناہ ہوا دوسری صورت ہو تو آفت سخت ہے۔ میرے پاس دوسری جگہ سے بھی یہ سوال آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مفتی نے دھوکا کھایا۔ فتاوئی رضویہ کہ اس عبارت سے کہ باپ کی ساس حلال ہے اگر اپنی نانی نہ ہو۔ مفتی نے یہ عبارت دیکھ کر اس کا مطلب یہ سمجھا کہ سگی نانی حرام ہے اور سوتیلی حرام نہیں۔ حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ باپ کی ساس جو اس شخص کی نانی ہو حرام ہے۔ سگی ہو یا سوتیلی۔ اور جو اس کی نانی نہیں وہ حلال ہے باپ کی ساس ہونے سے نانی حرام نہیں۔ سگی نانی ماں کی ماں اور زوجہ نانا ہونے سے حرام ہے۔ اور سوتیلی نانی نانا کی منکوحہ ہے اس لیے حرام ہے۔ باپ کی وہ ساس جو اس کی نانی نہیں نہ سگی نہ سوتیلی وہ حرام نہیں۔ تو یہ کہنا کہ باوجود علم کے محض دنیاوی مفاد کے خیال سے مفتی نے جواز کا فتوئی دیا خلاف واقع بات۔ اور بدگمانی معلوم ہوتا ہے۔ واالغیب عند اللہ

وھو اعلم بحقیقۃ الحال واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۸

فتاویٰ مصطفویہ میں جابجا حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی دیدہ وری، فقہی بصیرت اور قوت اجتہادی کے نمونے ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ پورا فتاویٰ مصطفویہ آپ کی دیدہ وری، فقہی بصیرت اور شانِ اجتہاد کا عظیم شاہکار ہے تو غلط نہ ہوگا۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ بصیرت اور نفسیات تصور عطا کیا تھا کہ وہ ایک نظر ڈالتے ہی استفتاء کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔ جیسا کہ ابھی اوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ فتاویٰ رضویہ کی عبارت کی ایسی واضح توضیح فرمائی کہ کسی طرح کا کوئی شک وشبہ ہی نہ رہا۔ چنانچہ اسی طرح کا ایک استفتاء مدرسۂ قادریہ بدایوں شریف کے مفتیانِ کرام کی خدمت میں پیش ہوا۔ وہاں کے مفتیانِ کرام نے اس کا منفی شکل میں جواب تحریر فرمایا۔ مگر جب وہی استفتاء حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ نے جو اس کا جواب تحریر فرمایا اس کو پڑھ کر روح وجد کرنے لگتی ہے اور بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقیہ النفس بنا کر اس دنیا میں بھیجا تھا۔ ملاحظہ ہو پوری تفصیل۔

مسئلہ: از قصبہ آنولہ قلعہ ضلع بریلی مرسلہ جناب سید لائق علی صاحب ۱۴/ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ

زید نے اپنی زوجہ منکوحہ سے یہ کہہ کر کے تو میرے نکاح سے باہر ہے میری بیوی نہیں رہی اور نہ میرے کام کی ہے اور لفظ لعن تک کہے اور تعلقات زن وشوہر منقطع کرکے اس کے والدین کے گھر بھیج دیا۔ اور زید نے خود ایک دوسری عورت بازاری سے تعلق کرکے اپنے پاس رکھ لیا۔ زید کی زوجہ جب سے اب تک جس کو زمانہ دو سال گزرتا ہے اپنے والدین کے پاس ہے۔ ایسی صورت میں زید کی زوجہ زید کے نکاح میں رہی یا نہیں؟

الجواب: زید کی زوجہ کو طلاق ہوگئی اور تین حیض گزرنے سے غیر حاملہ کی عدت گزر جاتی ہے۔ دوبارہ نکاح بغیر حلالہ ہوسکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ عزیز احمد قادری دارالعلوم قادریہ بدایوں مَنْ اَجَابَ فَقَطْ اَصَابَ عبید اللہ غفرلہ۔ قَدْ اَصَابَ مَنْ اَجَابَ ابوالحمید محمد رضوان الرحمن الحنفی المدرس بالمدرسۃ القادریہ۔ الجواب الصحیح محمد یٰسین عفی عنہ۔ الجواب صواب احمد الدین عفی عنہ۔

الجواب: سوال اگرچہ بہت ہی گول (مول) تھا مگر سوال دیکھتے ہی یہ خیال ہوا کہ شوہر نے یہ الفاظ بطور انشاء نہیں کہے ہوں گے بلکہ اخباراً۔ سائل سے واقعہ کی تفصیل پوچھی تو یہی معلوم ہوا کہ اس نے یہ الفاظ اس لیے کہے تھے کہ عورت اس کی بے اجازت چلی گئی تھی۔ جاہلوں میں یہ غلط مشہور ہے کہ عورت اگر بے اجازت شوہر گھر سے قدم نکالے تو وہ نکاح سے باہر ہو جاتی ہے۔ شوہر نے اس باطل بات پر وہ کہا نہ یہ کہ اسے طلاق دینا مقصود تھا اور اس وقت طلاق دینے کے لیے یہ لفظ کہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں

اصلاً طلاق نہ ہوئی۔ اور اگر واقعہ یہ نہ بھی ہوتا بلکہ بطور خود اس نے یہ الفاظ کہے ہوتے۔ جب بھی علی الاطلاق طلاق کا حکم نہ ہوتا کہ یہ کنایات ہیں اور کنایہ محتاج نیت۔ وہ اگر بقسم کہہ دیتا کہ میں نے اس سے طلاق کا ارادہ نہ کیا طلاق کا حکم نہ ہوتا اگر اقرار نیت کرتا تو طلاق کا حکم دیا جاتا۔ فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نیز ہندیہ میں ہے لَوْ قَالَ نِکَاح بَیْنِی وَبَیْنَکَ اَوْ قَالَ لَمْ یَبْقَ بَیْنِی وَ بَیْنَکَ نِکَاحٌ یَقَعُ الطَّلَاق اِذَا نَوىٰ بلکہ "فتاویٰ خانیہ" میں فرمایا لَوْ قَالَ فَسَخْتُ نِکَاحَکَ یَقَعُ الطَّلَاق اِذَا نَوىٰ. تو میری بیوی نہ رہی تو ظاہر ہے کہ اخبار ہی ہے۔ نہ میرے کام کی ہے۔ کنایہ ہے۔ محتاج نیت تو علی الطلاق حکمِ طلاق یقیناً محض باطل۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۹

اسی طرح ایک استفتاء کے سوال نمبر ۴ کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ (۴) عَفَا اللہ عن المفتی۔ مفتی نے فتویٰ دینے میں عجلت کی اور غور و تامل سے کام نہ لیا۔ خدا و رسول کا واسطہ ماننے سے انکار دیکھ کر وہ حکم لگادیا۔ سائل نے مفتی کو دھوکا بھی دیا مگر مفتی اگر تامل کرتا تو یہ حکم نہ دیتا۔ اللہ اسے معاف فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰

فتاویٰ مصطفویہ میں اس طرح کی تمثیلات وتوضیحات جابجا ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس مجموعہ فتاویٰ میں صرف روزمرہ کے مسائل سے ہی بحث نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ اس میں مسائلِ جدیدہ بھی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ جس سے آپ کی فقہی بصرت، عوام الناس کے احوال سے واقفیت، اور آپ کی قوتِ اجتہادی، شانِ بصیرت اور ماہر نفسیات ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

ماخذ و مراجع

۱۔ لغاتِ کشوری۔ مولوی سید تصدق حسین صاحب رضوی۔ دارالاشاعت اردو بازار، کراچی ص ۳۴۲
۲۔ اذانِ جمعہ۔ امام احمد رضا قادری، حق اکیڈمی مبارکپور اعظم گڑھ ص ۱۱
۳۔ معارف رئیس الاتقیا۔ انجمن عاشقانِ بلال۔ ملوک پور، بازار داران، بریلی شریف ص ۲۳
۴۔ فتاویٰ حامدیہ۔ حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ۔ رضوی کتاب گھر دہلی ص ۹۴
۵۔ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم۔ امام احمد رضا قادری۔ رضا دارالاشاعت، بریلی ص ۱۶۸۔۱۶۹
۶۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم۔ امام احمد رضا قادری۔ رضا اکیڈمی، ممبئی ص ۳۰
۷۔ حدیث نبوی اور علم النفس۔ محمد عثمان نجاتی۔ الفیصل غزنی اسٹریٹ اردو بازار، لاہور ص ۵۸۔۵۹
۸۔ فتاویٰ حامدیہ۔ حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا علیہ الرحمہ۔ رضوی کتاب گھر، دہلی ص ۹۲
۹۔ معارف رئیس الاتقیا۔ انجمن عاشقانِ بلال، ملوک پور بازار دارن، بریلی شریف ص ۴۱
۱۰۔ فتاویٰ برکاتیہ۔ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ۔ کتب خانہ امجدیہ، بستی ص ۱۳

۱۱۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم۔ امام احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی، ممبئی ص ۱۳۰ / ۱۳۱

۱۲۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سراج احمد بستوی۔ فرید بک سٹال۔ لاہور ص ۴۴

۱۳۔ اصلاح معاشرہ میں امام احمد رضا کی سعی۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری، کتب خانہ مینائیہ، لکھنؤ ص ۳

۱۴۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی۔ فرید بک سٹال، لاہور ص ۴۵

۱۵۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمہ۔ رضا اکیڈمی ممبئی ص ۳۱

۱۶۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمہ۔ رضا اکیڈمی ممبئی ص ۱۷۔ ۱۸

۱۷۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمہ۔ رضا اکیڈمی ممبئی ص ۲۶۔ ۲۷

۱۸۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمہ۔ رضا اکیڈمی ممبئی ص ۲۳۸۔ ۲۳۹

۱۹۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمہ۔ رضا اکیڈمی ممبئی ص ۳۶۳

۲۰۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمہ۔ رضا اکیڈمی ممبئی ص ۱۰۲

OOOOOO
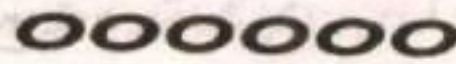
اخبارِ رضا

☆ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' مؤلفہ: ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی' رضا اکیڈمی، ممبئی اور مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کی ہے۔ ☆ ''نیک بیبیوں کی کہانی'' مرتبہ: مولانا غلام مصطفیٰ قادری باسنوی' سُنّی تبلیغی جماعت، باسنی، ضلع ناگور راجستھان نے شائع کی ہے۔ ☆ جامعہ امجدیہ رضویہ کے زیر اہتمام عرسِ صدر الشریعہ میں سہ ماہی ''امجدیہ'' مجلّہ کا اجراء عمل میں آیا۔ ☆ علامہ عبدالستار ہمدانی' بانی مرکزِ اہل سُنّت برکاتِ رضا پوربندر، گجرات نے فتاویٰ رضویہ جدید ترتیب، تخریج، عربی عبارت کے تراجم کے ساتھ (مرتبہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور) کو یکجا ۲۴ جلدوں میں شائع کرکے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ رابطہ کا پتہ: مرکزِ اہل سُنّت برکاتِ رضا، نزد نگینہ مسجد، امام احمد رضا روڈ، میمن واڑ، گجرات۔ ☆ ''مفتی نورالحسین رام پوری۔ حیات و خدمات'' (صدر مدرّس منظر اسلام، بریلی شریف) مصنفہ مولانا سید شاہد علی رضوی، شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، گنج قدیم، رام پور منظر عام پر آچکی ہے۔ صفحات ۱۵۲۔ ☆ ''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' مولانا غلام مصطفیٰ نجم قادری کا پی ایچ ڈی مقالہ شائع ہوکر منظر عام پر آ گیا ہے۔ جسے امام احمد رضا موومنٹ، بنگلور نے شائع کیا ہے۔

علامہ بحر العلوم مولانا شاہ محمد گل قادری کابلی ثم مراد آبادی قدس سرہٗ

ترتیب: خلیل احمد رانا، جہانیاں منڈی، پنجاب، پاکستان

علامہ بحر العلوم، امام المنثور والمنظوم، قدوۂ اصحاب تحقیق وعمدۂ ارباب تدقیق، استاذ الاساتذہ، فخر الجہابذہ، حضرت مولانا الحاج المولوی شاہ سید محمد گل قادری ولایتی ۱؎ ابن سید احمد خاں کابلی، ۱۲۵۸ھ میں کابل، افغانستان میں پیدا ہوئے۔ علوم معقولات آپ نے مولوی محمد مشکب عالم سے پڑھے، علم ہندسہ مولوی محمد نصر اللہ صاحب غزنوی سے حاصل کیا اور علم عروض وقوافی، رمل، نجوم، فقہ، حدیث، تفسیر، کلام، اصول وغیرہ مختلف ممالک میں اساتذۂ کرام سے اخذ کیے، اور علم ادب، نظم ونثر وبلاغت مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ۲؎ سابق پروفیسر شعبۂ عربی، اورینٹل کالج لاہور (متوفی ۱۳۰۴ھ) سے حاصل کیا، ۳؎ اور مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۴؎ (متوفی ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء) کے بھی شاگرد رہے ۵؎ حدیث وتفسیر کی سند واجازت شیخ العلما علامہ شیخ احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۶؎ (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء، مدفون مدینہ منورہ) سے حاصل کی، فقہ اور اصولِ فقہ زیادہ تر اپنی ہی ولایت (وطن) میں پڑھا، علمِ اصول حدیث حضرت شیخ محمد مکی کتبی رحمۃ اللہ علیہ ۷؎ (متوفی ۱۳۲۳ھ) سے پڑھا۔ ۸؎

صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مہتمم جامعہ حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، ضلع اوکاڑہ لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ محمد گل نے شیخ محمد مکی کتبی خلوتی علیہ الرحمۃ سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علومِ اسلامیہ کے علاوہ اوراد ووظائف، مسلسلات اور کلمۂ طیبہ کی سند واجازت حاصل کی، یہ تمام اسناد مطبوعہ "ثبتِ نعیمی" میں محفوظ ہیں۔ ۹؎

علمِ حدیث کی سند شیخ محمد حسین مکی (کتبی) رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) سے بھی حاصل کی ۱۰؎ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ (کراچی) لکھتے ہیں کہ آپ کا سلسلۂ حدیث براہ راست حجاز مقدس سے مربوط ہے، برصغیر پاک وہند کے دوسرے سلاسل حدیث کے مقابلے میں آپ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ ۱۱؎

علوم کی تحصیل وتکمیل، حج بیت اللہ، مدینہ طیبہ ودیگر مقامات کی زیارت سے مشرف ہوکر سیر وسیاحت پر مائل ہوئے اور جانب ہندوستان تشریف لائے۔ ۱۲۸۵ھ میں مراد آباد تشریف لائے اور مدرسہ امدادیہ کے مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۲؎ بعد ازاں اسی مدرسہ کے مہتمم ہوگئے (یہ مدرسہ سر سید احمد خاں کے مخالف ڈپٹی امداد علی نے قائم کیا تھا ۱۳؎) آپ کی سجع مہر کی عبارت یہ ہے "شگفتہ محمد گل بے نظیر"۔ ۱۴؎

مرزا نصیر الدین محمد نبیرہ مولوی عبد القادر خاں (متوفی ۱۹۰۹ء۔ مدفون مراد آباد) نے ۱۳۱۷ھ/

۱۹۰۰ء میں مراد آباد (صوبہ اتر پردیش۔ بھارت) کے حالات قلم بند کیے، مدرسہ امدادیہ کے متعلق علماے مراد آباد کے تذکرہ میں لکھتے ہیں!

''مولوی محمد گل مدرسہ اسلامیہ امدادیہ کے مہتمم اور کابل کے رہنے والے ہیں، ان کی ذات فائز البرکات سے مدرسہ اسلامیہ مراد آباد کی رونق و ترقی ہے عالم باعمل اور علما کی جماعت میں بے مثال و بے بدل ہیں، ان کے فیوضات کی بدولت ہر سال مجمع علما میں چار پانچ آدمی (فارغ التحصیل طلباء) دستار فضیلت اور خلعتِ استغناء و قابلیت سے مشرف ہوتے ہیں۔ مولوی محمد گل کا مزاج درویشانہ ہے، ریاست رام پور اور دوسرے مسلمانوں سے مدرسہ کی امداد کے لیے جو کچھ ملتا ہے نہایت امانت اور دیانت سے مدرسے کے کام میں جبہ جبہ خرچ کر دیتے ہیں۔ خدا و رسول کے بعد بزرگانِ دین اور اولیاے کاملین کے آثار کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، خیرات، طعام مسکین، تقسیم شیرینی، حلوا برائے ثواب رسانی میت یا ارواح بزرگان کو اچھا سمجھتے ہیں اور اہلِ حدیث کی طرح کفر و بدعت نہیں کہتے ہیں۔ بہت صاف دل اور غیر متعصب ہیں، یگانہ و بیگانہ کی رعایت ملحوظ خاطر رکھتے ہیں، تقلید کے حامی ہیں غیر مقلدوں کو اپنا مخالف سمجھتے ہیں، صوفی بھی نہیں ہیں کہ ان کو بربط و طنبور و نغمہ و غزل پر حال آئے، اس قسم کے افعال کو مذموم، نا مشروع اور بدعت سمجھتے ہیں۔'' [۱۵]

حضرت صدر الافاضل مولانا مفتی حکیم سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ [۱۶] (متوفی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) جب اپنے والد ماجد مولانا معین الدین نزہت علیہ الرحمہ [۱۷] (متوفی ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء) اور مولانا حکیم ابو الفضل فضل احمد امروہوی علیہ الرحمہ [۱۸] سے ابتدائی کتابیں پڑھ چکے تو مولانا ابو الفضل صاحب علیہ الرحمہ حضرت صدر الافاضل کو (اسی مدرسہ امدادیہ میں) جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول، شیخ الکل حضرت مولانا محمد گل صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ صاحبزادہ نہایت ذکی و نہیم صاحب فہم مستقیم ہیں (درس نظامی کی کتاب) ''مُلّا حسن'' تک پڑھ چکے ہیں، میری یہ خواہش ہے کہ بقیہ درس نظامی کی حضرت سے تکمیل کریں، حضرت نے قبول فرمایا، حضرت صدر الافاضل نے منطق، فلسفہ، اقلیدس اور دورہ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا محمد گل صاحب سے فرمائی، صرف انیس سال کی عمر میں تمام فنونات و دینیات سے فراغت پائی، ایک سال مشق فتویٰ نویسی و روایت کشی کی مشق فرمائی۔ ۱۳۲۰ھ میں بیس سال کی عمر میں دستار بندی ہوئی، مدرسہ امدادیہ میں نہایت تزک و احتشام سے جلسہ منعقد ہوا۔ [۱۹]

علماے اہلسنّت مولانا شاہ محمد گل علیہ الرحمہ کو اپنے مدارس کی سالانہ تقریبات میں مدعو کرتے تھے۔

مولانا سیّد محمد حسین سید پوری بدایونی (متوفی ۱۹۱۸ء) لکھتے ہیں کہ میں نے ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ کو بمقام 'آنولہ' (ضلع بریلی) میں بتقریب جلسہ و دستار بندی میں مولانا شاہ محمد گل قادری (علیہ الرحمہ) سے ملاقات کی۔ ۲۰

حضرت مولانا محمد گل کابلی مراد آبادی علیہ الرحمہ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت شیخ محمد مکی کتبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۲۸۰ھ۔ ۱۸۶۳ء/ ۱۳۲۳ھ۔ ۱۹۰۵ء) سے صاحب اجازت تھے۔ حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین علیہ الرحمہ کے آپ سے بیعت ہونے کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت صدرالافاضل جب بیعت ہونے کے لیے پیر کی جستجو میں پیلی بھیت (یوپی۔ بھارت) میں حضرت شاہ جی محمد شیر میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲۱ (متوفی ۱۳۲۴ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شاہ جی میاں صاحب بڑی محبت و کرم سے پیش آئے اور فرمایا میاں! مراد آباد میں مولانا محمد گل صاحب بڑی اچھی صورت ہیں، میں مراد آباد جاتا ہوں تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، آپ جس ارادہ سے آئے ہیں آپ کا حصّہ وہیں ہے۔ حضرت صدرالافاضل مراد آباد واپس آئے تو حضرت مولانا محمد گل صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا! شاہ جی میاں کے ہاں ہو آئے ہو، اچھا پرسوں جمعہ ہے نماز فجر کے بعد آیئے تو آپ کا جو حصّہ ہے عطا کیا جائے گا، تیسرے روز جمعہ کو بعد نماز فجر حضرت مولانا محمد گل صاحب نے قادری سلسلہ میں بیعت فرمایا۔ ۲۲

مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ، جن کا سلسلۂ روایت و اجازت مولانا شاہ محمد گل کابلی مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے شیخ محمد مکی کتبی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، انہوں نے آپ کا قادری شجرہ طریقت مکمل اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ ۲۳ اور دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑہ (پاکستان) کے موجودہ سرپرست مولانا مفتی صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی جن سلاسل صوفیہ میں مجاز ہیں، ان میں قادری سلسلہ دو واسطوں سے مولانا شاہ محمد گل قادری رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، چنانچہ انہوں نے آپ کا مکمل شجرہ طریقت عربی نثر، اردو نثر، اردو نظم اور پنجابی نظم میں اپنے دیگر شجرہ ہائے طریقت کے ساتھ ایک جا شائع کیا ہے۔ مولانا شاہ محمد گل قادری علیہ الرحمہ سے ان کا اتصال اس طرح ہے:

"مولانا محمد محب اللہ نوری عن مولانا محمد نور اللہ سالموی بصیر پوری عن مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی عن مولانا محمد گل کابلی مراد آبادی۔" ۲۴

حضرت مولانا شاہ محمد گل قادری علیہ الرحمہ کی تصنیفات میں کتاب "ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفےٰ"۔ ۲۵ "دعائے برکت بر طعامِ ضیافت، دعائے اموات بروز جمعرات"۔ ۲۶ "اثبات المعقول بالمنقول علیٰ رغم انف کل ظلوم و جھول"۔ "لولوء المنثور فی مدح والی دام فور" وغیرہ ہیں۔ ۲۷

مولانا سید محمد گل قادری کابلی مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں مرادآباد میں ہوا۔ "رواح محمد گل بستان جنتہ" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ۲۸

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) نے یہ تاریخ وفات تحریر فرمائی۔ ۲۹

لیھن ضلال النحد قلتہ ذلتہ
بموت محمد گل و غیتہ ھیتہ

فموت ھداۃ الدین فی الدین ثلمتہ
کما فی حدیث لا انسداد الثلمتہ

مرید مراد ابادنا لو مراد ھم
ولکن مضت للدین وعدۃ نصرتہ

فلا تفر حوایا بور موتوا بغیظکم
فلیس انہ الحق مخلف وعدتہ

الیس نعیم الدین عضتہ حلقکم
ید دشمل الضالین بصولتہ

مضی الورد ابقی اللہ ذالدھر باسما
ودام نعیم الدین غضا بزھرتہ

یقول الرضا فی عام رحلتہ حبز
رواح محمد گل بستان جنتہ

۱۳۳۰ھ

حوالہ جات وحواشی

۱ گذشتہ صدی میں ولائیت افغانستان سے ہجرت کرکے آنے والے علما کرام کے نام کے ساتھ ولائتی لکھا جاتا تھا۔

۲ مولانا فیض الحسن قرشی، حنفی، چشتی، سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶ء میں سہارنپور (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۶۸ء) شاہ احمد سعید مجددی دہلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۷۷ھ) مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۶۱ء) آخوان صاحب ولائتی رحمۃ اللہ علیہ (اخوند شیر محمد) سے اکتساب علم کیا۔ مشق سخن مولانا امام بخش صہبائی (متوفی ۱۸۵۷ء) سے کی، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ (متوفی ۱۸۶۹ء) حکیم مومن خاں مومن (متوفی ۱۸۵۱ء)

استاد ابراہیم ذوق (متوفی ۱۸۵۴ء) اور مرزا غالب (متوفی ۱۸۶۹ء) سے محبت رہی۔ ۱۸۷۰ء میں اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۹۹ء) سے بیعت کی تھی، بالالتزام دلائل الخیرات شریف پڑھتے تھے، لاہور میں جب تک رہے ہر جمعہ کو بلاناغہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۵ھ) کی درگاہ میں بیٹھ کر دس ہزار بار درود شریف کا ورد کرتے تھے، عربی، فارسی اور اردو کے بہت بڑے فاضل تھے، مولانا عبدالسمیع بیدل رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۰۱ء) کی مشہور کتاب "انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ" پر آپ کی تقریظ موجود ہے۔ بہت سی تصانیف ان کے علم وفضل کی یادگار ہیں۔ ۱۲ر جمادی الاول ۱۳۰۴ھ/ ۶ر فروری ۱۸۸۷ء کو لاہور میں انتقال فرمایا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے "اساتذہ امیر ملت" از محمد صادق قصوری، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء۔ تذکرہ علمائے اہلسنّت و جماعت لاہور، از پیر زادہ اقبال احمد فاروقی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء۔

۳ مولوی سید محمد حسین سید پوری بدایونی (متوفی ۱۹۱۸ء)، مظہر العلماء، تلخیص پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری، کراچی (متوفی ۱۹۸۳ء) مشمولہ سہ ماہی "العلم" کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۳۹۔

۴ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۲۱ر رمضان المبارک ۱۲۰۸ھ۔ ۲۲ر اپریل ۱۷۹۴ء کو قصبہ ملانواں ضلع ہردوئی (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ مولانا نورالحق فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۳۲ء) سے ابتدائی کتب درسیہ لکھنؤ میں پڑھیں، پھر دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی سند لی، حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کر کے اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۱ھ میں آپ کی زیارت کے لیے گئے۔ ۲۲ر ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ/ ۱۲ر ستمبر ۱۸۹۵ء کو گنج مرادآباد، ضلع اناؤ (یوپی، بھارت) میں وفات پائی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی از ابوالحسن علی ندوی، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۵ء، تذکرہ محدث سورتی از خواجہ رضی حیدر، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء۔

۵ حاشیہ وقائع نصیر خانی، ضمیمہ علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی)، جلد دوم، ترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی، ترتیب وحواشی پروفیسر محمد ایوب قادری، مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۱ء، صفحہ ۹۵

۶ علامہ شیخ سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں شہر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور اعلیٰ مناصب ہر اعتبار سے علما مکہ کے سرتاج تھے، عرب وعجم کے لاتعداد اکابر علما نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ سے روایت حدیث میں اسناد حاصل کیں۔ وہابیہ کے ردّ میں کتابیں لکھیں۔ ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ الاعلام، خیر الدین زرکلی، مطبوعہ بیروت (لبنان) ۱۹۹۹ء، جلد ۱، صفحہ ۱۲۹

۷ شیخ سید محمد مکی کتبی بن محمد صالح کتبی بن محمد بن حسین کتبی رحمہم اللہ کی ولادت ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء میں مکہ

مکرمہ میں ہوئی، ظاہری و باطنی علوم اپنے والد ماجد شیخ سید محمد صالح بن محمد کتبی مصری مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۵ھ/۱۸۳۰ء۔ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) سے حاصل کیے، اور شیخ العلما علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ سید ابوالحاسن محمد بن خلیل قاؤقجی طرابلسی ازہری رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۲۴ھ۔ ۱۳۰۵ھ/۱۸۰۹ء۔ ۱۸۸۸ء) سے بھی تعلیم حاصل کی۔ سلسلہ خلوتیہ اور دلائل الخیرات وغیرہ کی اجازت اپنے والد ماجد سے حاصل کی، والد ماجد کی وفات کے بعد شیخ مصطفیٰ بن علی مرعشی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ قادریہ میں اخذ کیا۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی قبرستان المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ''مکہ مکرمہ کے کتبی علما'' از عبدالحق انصاری، مطبوعہ فقیہ اعظم پبلی کیشنز بصیر پور ضلع اوکاڑہ ۲۰۰۳ء صفحہ ۳۵ تا ۳۸۔

۸ مظہر العلما از مولوی محمد حسین سید پوری بدایونی، تلخیص پروفیسر محمد ایوب قادری، سہ ماہی العلم، کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۹۴

۹ مکہ مکرمہ کے کتبی علما۔ از عبدالحق انصاری، مطبوعہ فقیہ اعظم پبلی کیشنز بصیر پور ضلع اوکاڑہ ۲۰۰۳ء صفحہ ۵

۱۰ مظہر العلما، از مولوی سید محمد حسین سید پوری بدایونی، مشمولہ سہ ماہی العلم کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۴۹

۱۱ تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، از: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء، صفحہ ۴۹

۱۲ مظہر العلما، از: مولوی سید محمد حسین سید پوری بدایونی، سہ ماہی العلم کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۴۹

۱۳ حاشیہ وقائع نصیر خانی، از: نصیر الدین محمد، ضمیمہ علم وعمل، جلد دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۹۵

(محشی پروفیسر محمد ایوب قادری)

۱۴ مظہر العلما (تلخیص) مشمولہ سہ ماہی العلم کراچی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۴۹

۱۵ وقائع نصیر خانی، ضمیمہ علم وعمل، جلد دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۹۵

۱۶ صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی بن مولانا معین الدین نزہت بن مولانا امین الدین راسخ بن مولانا کریم الدین آزاد، ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ کو مراد آباد (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے، آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید کے حافظ ہوئے، اردو، فارسی کی ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، ملا حسن تک درس نظامی مولانا شاہ فضل احمد سے پڑھا، مولانا سید محمد گل قادری سے درس نظامی کی تکمیل کی، ۱۳۲۰ھ میں دستار بندی ہوئی، سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ محمد گل علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے، انہوں نے ہی آپ کو حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۵ھ) کے سپرد کیا، آپ سے خلافت و اجازت حاصل کی، ان کے علاوہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے بھی خلافت و اجازت تھی۔ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں مراد آباد میں مدرسہ انجمن اہل سنت و جماعت کی بنیاد رکھی، بعد میں ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء

میں اس مدرسہ کا نام جامعہ نعیمیہ قرار پایا، بیس سے زیادہ کتب و رسائل تصنیف کیے۔ ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ/۲۲/اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مراد آباد میں وفات پائی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے، خلفائے اعلیٰ حضرت، مرتبین: محمد صادق قصوری، پروفیسر مجید اللہ قادری، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء، مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علماے اہل سنت، مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ

۱۷؎ استاذ الشعراء مولانا سید محمد معین الدین نزہت علیہ الرحمہ ۱۲۵۹ھ میں مراد آباد (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے، آپ پرانی وضع کے مقدس عالم اور بزرگ شخصیت تھے، آپ ملک الشعراء نواب مہدی علی خاں ذکی مراد آبادی (متوفی ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء) کے ارشد تلامذہ میں تھے، ذکی کے شاگردوں میں مولانا کفایت علی کافی شہید (متوفی ۱۸۵۸ء)، مولانا محمد حسین تمنا مراد آبادی (متوفی ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء)، نواب شیر علی خاں تنہا بہت مشہور ہیں۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ آپ ہی کے فرزند ہیں، حضرت صدر الافاضل نے جب دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی تو آپ نے دستار بندی کی تاریخ تحریر فرمائی۔

ہے میرے پسر کو طلباء پر وہ تفضل — سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہت نعیم الدین کو یہ کہ کے سنا دے — دستار فضیلت کی ہے تاریخ "فضیلت"

۱۳۲۰ھ

آپ کے ہزاروں شاگرد ہوئے۔ اسی سال کی عمر میں چار دن بخار میں مبتلا رہ کر نفی اثبات کا ذکر کرتے ہوئے جمعہ مبارک کے دن ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو مراد آباد میں وصال فرمایا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ جن دنوں بھوالی (ضلع نینی تال) میں بسبب علالت قیام پذیر تھے، مولانا سید معین الدین نزہت علیہ الرحمہ کے انتقالِ پُرملال کی خبر جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو کوہ بھوالی میں پہنچی تو آپ نے فوراً حسب ذیل مکتوب گرامی صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کے نام تعزیت میں ارسال فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مولانا المبجل المکرم ذی المجد و الکرم حامی السنن ماحی الفتن جعل کاسمہ نعیم الدین

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ان اللہ ما اخذ و ما اعطیٰ و کل شی عندہ باجل مسمیٰ انما یو فی الصبرون اجر ھما بغیر حساب، و انما المحروم من حرم الثواب غفر اللہ لمولانا معین الدین، و رفع کتابہ فی علیین، و بیض وجھہ یوم الدین، والحقہ بنبیہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ و بارک و

سلم علیہ و علیٰ آلہٖ و ازواجہ اجمعین و اجمل صبر کم و اجزل اجر کم وجبر کر کم و رفع قدر کم آمین۔

یہ پُر ملال کارڈ روزِ عید آیا، میں نمازِ عید پڑھنے نینی تال گیا ہوا تھا، شب کو بے خواب رہا تھا اور دن کو بے خور وخواب اور آتے جاتے ڈانڈی میں چودہ میل کا سفر، دوسرے دن بعد نمازِ صبح سو رہا، سو کر اُٹھا تو یہ کارڈ پایا، اسی وقت یہ تاریخیں خیال میں آئیں، ایک بے تکلف قرآن عظیم سے اور ان شاء اللہ فالِ حسن ہے، دوسری حسب فرمائش سامی فارسی میں، مگر دو شعر کے لیے فرمایا تھا، یہ پانچ ہو گئے اور مادے میں ایک کا تخرجہ کرنا ہوا جس کا میں عادی نہیں، مگر اس میں کوئی لفظ قابلِ تبدیل نہ تھا، لہٰذا یونہی رکھا اور اسی روز سے مولانا مرحوم کا نام تابقائے حیات ان شاء اللہ تعالیٰ روزانہ ایصالِ ثواب کے لیے داخلِ وظیفہ کرلیا، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت اچھے گئے، مگر دنیا میں ان سے ملنے کی حسرت رہ گئی، مولیٰ تعالیٰ آخرت میں زیرِ لوائے سرکارِ غوثیت ملائے آمین اللھم آمین۔

تاریخ از قرآن عظیم۔ "رزق ربک خیر" (۱۳۳۹ھ)

دیگر

یک شہادت وفات در رمضاں	مرگِ جمعہ شہادتِ دگر است
مرضِ تپ شہادت سوم	بہر ہر سہ شہادت خبر ست
در مزار ست چشم وا یعنی	پئے دیدارِ یار منتظر ست
مردہ ہر گز نہ معین الدین	کہ خُدا چوں نعیم دیں پسر ست

از رضا سال بے سرا ہمال

قرب صدق ملیک مقتدر ست

۱۳۴۰ـ ۱ = ۱۳۳۹ھ

شب عید کی بے خوابی اور دن کو بے خور و خواب اور دوہرے سفر کا پیچ و تاب، اس کے سبب کل شام تک حالت ردّی رہی، میں قابل حاضری ہوتا تو سر سے چل کر مزار کی زیارت اور آپ کی تعزیت کرتا، مصطفےٰ رضا کل بریلی گئے، میں نے کہہ دیا ہے کہ تعزیت کے لیے حاضر خدمت ہوں، کل شام تک طبیعت کی بہت غیر حالت نے اس نیاز نامہ میں تعویق کی اور آج اتوار تھا، لفافہ نہ مل سکتا تھا، اب حاضر کرتا ہوں۔

والسلام مع الاکرام، سب احباب کو سلام

فقیر احمد رضا — شب پنجم شوال مکرم ۱۳۳۹ھ از بھوالی

(حیات صدر الافاضل، از مولانا مفتی حکیم سید غلام معین الدین نعیمی مراد آبادی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۷۱ء) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء صفحہ ۲، ۳، ۴، ۱۷۶ تا ۱۷۶ـ ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۹۸ء)

۱۸ حضرت مولانا حکیم ابوالفضل فضل احمد امروہوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے مقدس بزرگ تھے کہ بیس سال مسجد چوکی حسن خاں مراد آباد کے حجرہ میں قیام فرمایا، وہیں مطب بھی فرماتے تھے، ایسے مہذب کہ آسمان کی طرف نظر اُٹھانا تو کیا معنی، کسی سے نظر ملا کر بھی کلام نہ فرماتے، ہمیشہ نگاہ نیچی رہتی، تمام محلہ حضرت کے تقوے اور پرہیز گاری کا معتقد تھا، نعت شریف سے عشق تھا، ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ مسجد چوکی حسن خاں میں نعت شریف کی محفل ہوتی جس میں امیر و غریب تمام لوگ شرکت کرتے، نعت کا یہ جلسہ ابھی تک جاری ہے اور نعت خواں اب بھی بعد نماز جمعہ یہاں آ کر نعت شریف پڑھتے ہیں۔ حیات صدر الافاضل، از مولانا مفتی حکیم سید غلام معین الدین نعیمی مراد آبادی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۷۱ء) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء صفحہ ۵

۱۹ حیات صدر الافاضل، مطبوعہ، لاہور ۱۹۶۷ء صفحہ ۵

۲۰ مظہر العلما، سہ ماہی العلم کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۳۹

۲۱ حضرت شاہ جی محمد شیر میاں پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں پیلی بھیت (یوپی، بھارت) کے محلہ منیر خاں میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۴۰ھ میں حضرت سید احمد علی شاہ رام پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء) سے بیعت ہوئے، پیلی بھیت کی سرزمین پر جو عارفان کامل اور صاحبانِ کشف و کرامات گذرے ہیں ان میں حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیتی کو شہرت دوام حاصل ہے، آپ کا وصال ۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: تذکرہ محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ، از خواجہ رضی حیدر، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء

۲۲ حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء، صفحہ ۷

۲۳ مکہ مکرمہ کے کتبی علما، از عبدالحق انصاری، مطبوعہ بصیر پور ضلع اوکاڑہ، صفحہ ۳۶

۲۴ ایضاً

۲۵ ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ لکھتے ہیں "فاضل ممدوح کے عشق و محبت اور علمیت و فقاہت کی ایک جھلک ان کی تالیف "ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفیٰ" (مطبوعہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) میں نظر آتی ہے، تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، از پروفیسر محمد مسعود احمد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء، صفحہ ۳۹

۲۶ ایک مرتبہ برقی پریس مراد آباد میں چھپی۔ دوسری مرتبہ ۲۰۰۲ء میں ادارہ ضیاء السنۃ جامع مسجد شاہ سلطان کالونی ریلوے روڈ ملتان سے شائع ہوئی۔

۲۷ مظہر العلما، سہ ماہی "العلم" کراچی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۳۹

۲۸ وقائع نصیر خانی، ضمیمہ علم و عمل، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۹۵

۲۹ ماہنامہ "پاسبان" الٰہ آباد، یوپی۔ بھارت (امام احمد رضا نمبر) شمارہ مئی، جون ۱۹۶۲ء۔ مطبوعہ بار دوم، رضا اکیڈمی لاہور ۲۰۰۱ء۔ صفحہ ۱۶۵

یادداشت: خلیل احمد رانا، پاکستان

حکیم اہل سنت علیہ الرحمہ سے آخری ملاقات

راقم ۴؍نومبر ۱۹۹۹ء کو ایک دوست کی بیٹی کی شادی کے سلسلہ میں لاہور گیا ہوا تھا، شادی کی مصروفیات سے فارغ ہو کر اگلے دن صبح تقریباً نو بجے حضرت مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ/ ۱۷؍نومبر ۱۹۹۹ء) کی خدمت میں آپ کے مطب واقع ریلوے روڈ پر حاضر ہوا۔ آپ بڑی شفقت و محبت سے ملے، خیریت دریافت فرمائی اور اس ناکارہ کو اپنے قریب ہی بیٹھنے کے لیے فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد احقر کو ایک کتاب "شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری" مؤلفہ پروفیسر چودھری محمد سلیم، مطبوعہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۹۶ء اپنے دستخط فرما کر تحفۃً عنایت فرمائی۔ کتاب کے چند ورق آپس میں جڑے ہوئے تھے، میں انہیں ہاتھ سے پھاڑ کر علیحدہ کرنے لگا، آپ نے یہ دیکھ کر اپنے خادم خاص، برادرم محمد ریاض ہمایوں سعیدی سلمہٗ کو فرمایا ہمایوں! رانا کو کوئی چاقو وغیرہ دو یہ کتاب خراب کر رہا ہے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ اس طرح کتاب کے ورق پھٹ جاتے ہیں اور کتاب کا حُسن متاثر ہوتا ہے، یہ کتاب کے آداب کے خلاف ہے، میں آپ کی حساس طبیعت سے بہت متاثر ہوا۔

کچھ دیر بعد میں نے عرض کیا کہ حضور میرے بڑے بھائی کو دل کی تکلیف رہتی ہے، ان کے لیے کوئی دوائی تجویز فرمادیں۔ آپ نے میری بات سُن کر ایک کاغذ کی چٹ پر کچھ لکھ کر مجھے دیا، میں نے پڑھا تو اس پر "سونف" لکھا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا' حضور یہ تو صرف سونف ہی کھانے کے لیے لکھی ہے۔ آپ نے فرمایا' تم سونف کو کیا سمجھتے ہو؟ سونف کو جب چبایا جائے تو اس میں جو ہلکی سی کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے، خون کو پتلا کرنے کے لیے اس سے بہتر ایسڈ دنیا نے آج تک ایجاد نہیں کیا، خون پتلا ہو گیا تو دل کی بیماری ختم۔

پھر فرمایا کہ آج کل مسائل کا دور ہے، کسی کو گھریلو پریشانی ہے، کسی کو مالی پریشانی ہے، رشتہ داریوں کے جھگڑے ہیں، ملازمت کے مسائل ہیں، جب انسان سوچ اور فکر میں ہوتا ہے تو معدہ پر

اثر پڑتا ہے اور خون گاڑھا ہوتا رہتا ہے، پھر جب آدمی کو کسی وقت کسی بات پر غصہ آتا ہے اور بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے تو خون تیز دوڑنے کا تقاضا (ڈیمانڈ) کرتا ہے، لیکن خون تو گاڑھا ہو چکا ہوتا ہے، تو خون تیز نہ دوڑنے کی وجہ سے انسان دل میں تکلیف محسوس کرتا ہے، اسی کو دل کا دورہ اور ہارٹ اٹیک کہتے ہیں، تو جب آپ خون کو پتلا رکھیں گے تو دل کی تکلیف اللہ تعالیٰ دور فرما دے گا۔

میں نے پوچھا' حضور سونف کا استعمال کتنے دن تک کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا سونف کھانے کا کیا ہے، چاہے ساری زندگی کھاتے رہو یہ آنکھ کی بینائی اور معدہ کے لیے بھی اچھی ہے۔

میں نے بعد میں اپنے دو تین ایم بی بی ایس ڈاکٹر دوستوں کو یہ بات بتائی تو انہوں نے حضرت حکیم اہل سنت علیہ الرحمہ کی بات کی تصدیق کی اور اسے درست بتایا۔

ایک بات میں نے اور عرض کی کہ حضور بعض بچیوں کو چھوٹی عمر میں نظر کمزور ہونے کے باعث عینک لگ جاتی ہے، ان کے رشتے طے کرنے کے سلسلے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ جناب بچی کو تو عینک لگی ہوئی ہے، ہمارے معاشرے میں تعلیم کی کمی کیوجہ سے جہالت کا زور زیادہ ہے، بھلا اس میں بچی کا کیا قصور ہے، اس نا کردہ گناہ کی وجہ سے بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جاتی ہیں، اس کے لیے کوئی دوا بتائیں۔

تقویت بینائی کے لیے آپ نے درج ذیل نسخہ لکھ کر مجھے عنایت فرمایا جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

هوالشافی

سونف کے چاول ...... ۱۵ تولہ

دھنیا کے چاول ...... ۵ تولہ

چینی ...... ۱۵ تولہ

مغز بادام ...... ۱۵ تولہ

مقدار خوراک ایک تولہ رات سوتے وقت پانی کے ساتھ۔

میں اجازت لے کر چلا آیا، چند ہی دنوں بعد ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء کو آپ کا وصال ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

مکالمہ بین المذاہب: پسِ پردہ اغراض کیا ہیں؟

تحریر: خورشید احمد سعیدی، ایم اے تقابل ادیان، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
E-mail: khursheedsaeedi@hotmail.com

آج کل نہ صرف پاکستان بلکہ دُنیا بھر میں مکالمہ بین المذاہب یا مکالمہ بین الادیان سے متعلق کئی پروگرام اور محافل منعقد ہو رہی ہیں۔ سماجی ہم آہنگی، انصاف، امن، بھائی چارہ اور حقوقِ انسانی وغیرہ کے عنوانات کے تحت کئی جلسے ایک سوچے سمجھے شیڈول کے مطابق جاری ہیں۔ اگر ان تمام سرگرمیوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے پروگراموں کا اہتمام اور قیادت کرنے میں مختلف عیسائی فرقے پیش پیش ہیں۔ وہ اس قسم کے مکالمے صرف مسلمانوں سے نہیں کر رہے ہے بلکہ یہودیوں، ہندوؤں اور بدھ مت کے پیروکاروں سے بھی کر رہے ہیں۔ ہر جگہ ان کے اہداف اور اغراض مختلف ہیں۔ آیئے موجودہ مکالمے کی تاریخ پر بالاختصار نظر ڈالتے ہوئے یہ دیکھیں کہ مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کے مکالمے کے پیچھے کونسی روح کارفرما ہے؟ کیا یہ مکالمے واقعی سماجی ہم آہنگی کے حصول کے لیے ہو رہے ہیں یا ان کا مقصد عالمی اور مقامی سطح پر سیاسی برتری ہے؟ کیا یہ مکالمے حقوقِ انسانی کے دفاع اور حصول کے لیے ہیں یا ان کا ہدف عیسائیت کو غالب کرنا ہے؟ اور اس سلسلے میں ایک مسلمان کو کیا کردار ادا کرنا چاہیے؟

موجودہ مکالمہ کی تاریخ پر ایک نظر:

تاریخی حوالے سے موجودہ مکالمے کے نقطہ آغاز کو تبلیغ عیسائیت کے داخلی مسائل اور باہمی شکوک و شبہات میں تلاش کیا جا سکتا ہے اور اس شعور میں بھی کہ مذہبی تعددیت (Pluralism) کا چیلنج مختلف عیسائی فرقوں سے نئے اقدامات کا مطالبہ کرتا ہے۔ مختلف مغربی عیسائی فرقوں کے درمیان ۱۹۱۴-۱۸ء کی جنگ سے پہلے اور بعد میں جو سنجیدہ مباحثہ ظاہر ہوا اس نے انہیں اپنے مؤقف اور توجہ کو بدلنے یعنی تبلیغ کی بجائے مکالمہ کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ اسلامی عقائد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بالخصوص اور عیسائیت کے بارے میں بالعموم عیسائی عقائد سے ہم آہنگ نہیں ہیں اس لیے ان میں خامیاں اور نقائص ہیں لہٰذا انہیں درست کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ جسے پورا کرنے اور مسلمان معاشروں کو مکالمہ کے ذریعے مطلوبہ رنگ دینے کیلئے مختلف عیسائی فرقوں کے طریقے، مقاصد اور انداز کچھ یوں ہیں۔

پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈکس عیسائی اور مکالمہ:

اگرچہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مکالمے کی تاریخ بہت طویل ہے لیکن ۱۹۷۰ء کا سال ان

دونوں کے درمیان مکالمے کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ کئی سالوں پر محیط غور وخوض کے بعد ورلڈ کونسل آف چرچز نے ۱۹۷۰ء میں دُنیا میں پائے جانے والے دوسرے ادیان اور مذاہب کے لوگوں سے مکالمے کا آغاز کیا۔ اس کونسل نے ایک سال بعد "زندہ مذاہب کے لوگوں سے مکالمہ" کے نام سے ایک یونٹ قائم کیا۔ ۱۹۹۰ء میں یہ یونٹ سیکریٹریٹ آف ورلڈ کونسل آف چرچز میں ضم کر دیا گیا جو اَب آفس آن انٹر ریلیجس ریلیشنز (Office on the Inter-religious Relations) کہلاتا ہے۔ پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈکس عیسائیوں کا یہ اقدام مسلمانوں اور دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ نئے تعلقات کی اہمیت کا باقاعدہ اعتراف ہے۔

کیتھولک عیسائی اور مکالمہ:

پوپ نے کیتھولک عیسائیت کے مسائل کو حل کرنے اور اپنے مشن کے فروغ کے لیے واٹیکن کونسل کے نام سے ایک اعلیٰ سطح کا ادارہ قائم کیا ہے۔ اس ادارے نے ۱۹۶۲۔۵ء کے طویل عرصہ میں کچھ اجلاس منعقد کیے۔ ان اجلاسوں کو مجموعی طور پر دوسری واٹیکن کونسل (Second Vatican Council) کا نام دیا جاتا ہے۔ جس نے نوسٹرا آئیٹ (Nostra Aetate) یعنی "ہمارا دَور" نامی دستاویز مرتب کی جو اُن کے اہداف اور طریقۂ کار پر روشنی ڈالتی ہے۔ اِس دستاویز کو رومن کیتھولک چرچ کی باقاعدہ تعلیمات کا ایک حصہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کیتھولک عیسائیوں نے سیکریٹریٹ فار نان کرسچن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو اَب پونٹیفیکل کونسل فار انٹر ریلیجس ڈائیلاگ کہلاتی ہے۔ اِس ادارے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے فرقے کے لوگوں کو دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ مکالمے کی تربیت دی جائے اور ان کے لیے کتب، رسائل، نیوز لیٹرز اور اخبارات شائع کیے جائیں تاکہ ان تربیت یافتہ لوگوں کو مسلسل رہنمائی، تازہ صورتحال سے واقفیت اور امداد حاصل رہے۔ انہوں نے ۱۹۶۹ء میں اپنے اصول و قواعد شائع کیے۔ قاہرہ سے مسلمانوں کا پہلا بڑا وفد ۱۹۷۰ء میں روم میں واقع سیکریٹریٹ گیا تھا۔ نوسٹرا آئیٹ نامی اعلان کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان یہ پہلا باقاعدہ آمنا سامنا تھا۔

ایونجیلیکل عیسائی اور مکالمہ:

ایونجیلیکل عیسائی (Evangelical Churches) مسلمانوں اور دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ بڑھتے ہوئے مکالمے کو ایک مصلحت یا سمجھوتہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ورلڈ کونسل آف چرچز پر شدید تنقید کی کیونکہ وہ بڑے جوش وخروش سے مکالمے کی حمایت میں مشغول ہے کیونکہ انہوں نے یہ دیکھا کہ ورلڈ کونسل آف چرچز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتیاز و انفرادیت اور غیر عیسائیوں کو عیسائی بنانے کے مشن کا انکار کررہی ہے۔ لہٰذا ایونجیلیکل عیسائیوں کا ۱۹۷۰ء میں جرمنی میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا جس کے نتیجے میں

انہوں نے اپنے غیر متزلزل موقف کو فرینکفرٹ ڈیکلریشن (Frankfurt Declaration) کے نام سے پیش کیا۔ اس ڈیکلریشن اور اس کے بعد جاری کردہ بیانات و اعلانات نے ورلڈ کونسل آف چرچز اور رومن کیتھولک عیسائیوں دونوں پر بہت دباؤ ڈالا کہ وہ ڈائیلاگ کے وسیلے سے پُرانے مشنری اور تبلیغی ہدف کی طرف لوٹ آئیں۔[1]

ایونجیلیکل عیسائیوں نے جہاں ایک طرف لوگوں کے لیے نرم گوشہ رکھنے والے مذہبی عیسائیوں پر دباؤ بڑھایا ہے وہاں انہوں نے سیاسی عیسائی رہنماؤں کو بھی اسیر بنالیا ہے۔ جارج ڈبلیو بش نے ۱۹۸۸ء میں اپنے باپ بش کی الیکشن مہم میں مرکزی کردار ادا کیا۔ وقت کے دھارے کو پہچانتے ہوئے ایونجیلیکل عیسائیوں نے بش کو ووٹ اور کامیابی دلائی۔ کیونکہ اُس وقت سیاسی زندگی اور فضا میں ان کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ بش کی ٹیم میں اب ان کا کیا مقام ہے؟ اس سلسلے میں ہفت روزہ نیوز ویک لکھتا ہے:

" Now they form the core of the Republican Party, which controls all of the capital for the first time in a half century. Bible- believing Christians are Bush's strongest backers, and turning them out next year in even greater numbers is the top priority of the president's political adviser Karl Rove." (2)

"اب وہ ریپبلکن پارٹی کا مرکزی ڈھانچہ تشکیل دیتے ہیں۔ یہ گذشتہ آدھی صدی کے دوران پہلی بار ملک کے پورے سرمائے پر قابض ہے۔ بائبل کو ماننے والے عیسائی بش کے سب سے بڑے پشت پناہ ہیں۔ صدر بش کے سیاسی مشیر کارل روو کی اوّلین ترجیح حکومت میں اگلے سال ان کی تعداد کو اور زیادہ کرنا ہے۔"

ایونجیلیکل عیسائی مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی اپنی شدید خواہش کو نہیں چھپاتے۔ عیسائی مشنریوں اور حکومتی اثر و رسوخ کے ذریعے یہ دُنیا کے ہر خطے پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش صرف بغداد تک محدود نہیں ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ان کے کئی ادارے تبلیغی مشن کی تربیت دیتے ہیں۔ اگر ان اداروں کی تفصیل سے یہاں صَرفِ نظر کریں اور مختلف حکومتی دفاتر اور شعبوں میں ان کی سرگرمیوں کے دائرے کی وسعت اور اثر کو جاننا چاہیں تو اس سلسلے میں نیوز ویک یوں مزید وضاحت کرتا ہے:

"The atmosphere inside the White House, insiders say, is suffused with an aura of prayerfulness. There have always been Bible-Study groups there; even the Clintonites had one. But the groups are everywhere now."(3)

"اندرونی حالات سے باخبر لوگ کہتے ہیں کہ وائٹ ہاؤس کے اندر فضا عیسائی عبادتوں

اور دعاؤں سے بھری ہوئی ہے۔ بائبل کا درس دینے والے گروپ اگرچہ ہمیشہ حکومت کے اندر رہے ہیں حتی کہ کلنٹن کی پارٹی کے دور میں بھی ایک گروپ موجود تھا۔ لیکن اب ایسے گروپ حکومت کے ہر دفتر میں موجود ہیں۔"

عیسائیوں کے طرزِ عمل کے دو اصول:

مکالے کی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالنے اور اس سلسلے میں ان کے سرگرم فرقوں کی کارکردگی کے متعلق جاننے کے بعد اگر ہم عیسائیوں کی سرگرمیوں کا بغور جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ دو اصولوں پر کام کرتے ہیں۔ پہلا اصول ان کی موجودہ انجیل کے مطابق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: "دیکھو میں تم کو بھیجتا ہوں گویا بھیڑوں کو بھیڑیوں کے بیچ میں۔ پس سانپ کی مانند ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بے آزار بنو۔"[۴]

اور دوسرا اصول جس پر عیسائی طاقتیں کام کررہی ہیں یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: "راستہ کے لیے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو۔ نہ روٹی۔ نہ جھولی۔ نہ اپنے کمر بند میں پیسے۔ مگر جوتیاں پہنو اور دو کرتے نہ پہنو۔"[۵] مزید یہ کہ "اُس نے ان سے کہا مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو وہ اسے لے اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے۔"[۶]

سانپ کی سی ہوشیاری کے ساتھ ساتھ لاٹھی اور تلوار یعنی ڈیزی کٹر بموں، جدید ترین لڑاکا طیاروں اور آلات حرب کو استعمال کرنے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے موقع کی مناسبت سے اپنا طریقۂ کار بدلنا اور میڈیا کے بل بوتے پر دھوکا دیتے وقت اپنی اصلیت ظاہر نہ ہونے دینا بھی ان کا ایک قدیم اور مجرب طریقۂ واردات ہے جو موجودہ عیسائیت کے بانی پولوس یہودی کے درج ذیل طرزِ عمل سے ماخوذ ہے:

"اگر خوشخبری سُناؤں تو میرا کچھ فخر نہیں کیونکہ یہ تو میرے لیے ضروری بات ہے بلکہ مجھ پر افسوس ہے اگر خوشخبری نہ سُناؤں۔ ... اگرچہ مَیں سب لوگوں سے آزاد ہوں پھر بھی میں نے اپنے آپ کو سب کا غلام بنا دیا ہے تاکہ اور بھی زیادہ لوگوں کو کھینچ لاؤں۔ میں یہودیوں کے لیے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں۔ جو لوگ شریعت کے ماتحت ہیں اُن کے لیے میں شریعت کے ماتحت ہُوا تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو کھینچ لاؤں۔ اگرچہ خود شریعت کے ماتحت نہیں تھا۔ بے شرع لوگوں کے لیے بے شرع بنا تاکہ بے شرع لوگوں کو کھینچ لاؤں (اگرچہ خدا کے نزدیک بے شرع نہ تھا بلکہ مسیح کی شرع کے تابع تھا)۔ کمزوروں کے لیے کمزور بنا تاکہ کمزوروں کو کھینچ لاؤں۔ مَیں سب آدمیوں کے لیے سب کچھ بنا ہوا ہوں تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں۔ اور مَیں سب کچھ انجیل کی خاطر کرتا ہوں تاکہ اوروں کے ساتھ اس میں شریک ہوؤں۔"[۷]

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عیسائی جہاں جیسا موقع دیکھتے ہیں ویسا ہی بھیس

بدل لیتے ہیں، چاہے ان ممالک میں رہتے ہوں جہاں ان کی اکثریت ہے یا ایسے ممالک جہاں وہ اقلیت شمار ہوتے ہیں وہ اپنے اہداف کے حصول سے غافل نہیں ہوتے۔ آیئے دیکھیں مکالمہ بین المذاہب کے پس پردہ ان کے اصل اغراض و مقاصد کیا ہوتے ہیں۔ ذیل میں زیادہ تر بشپ مائیکل نذیر علی[8] کی ایک کتاب سے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں جو اُن کے نزدیک مکالمے کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔

تبلیغ عیسائیت کے لیے مکالمہ کی اہمیت:

مکالمہ کیونکہ وقت اور جگہ کی حدود میں مقید نہیں ہے اور کیونکہ یہ زندگی کے ہر شعبے میں پایا جاتا ہے اس لیے نذیر علی عیسائیت کے تبلیغ کے لیے اس کی اہمیت پر یوں روشنی ڈالتا ہے:

"The whole of Christian mission, however it is exercised, presupposes dialogue and depends upon it. There can be no Christian mission without dialogue, as dialogue is the basis for all human community. Communities have dialogue internally: how to order themselves of questions of law and order and justice, for instance, or on matters such as the distribution of resources. Communities also have dialogue with each other about fair trade, for example, or about the need for peace. And so the Church too finds itself engaged in dialogue on a whole number of fronts."(9)

"عیسائیت کی تبلیغ جتنی اور جس طرح بھی کی جاتی ہے ساری کی ساری مکالے کو اولین حیثیت دیتی ہے اور اسے بنیاد بناتی ہے۔ مکالے کے بغیر عیسائیت کی کوئی تبلیغ نہیں ہو سکتی کیونکہ مکالمہ تمام انسانوں کی بنیادی ضرورت ہے۔ لوگوں کے مختلف طبقے باہمی معاملات میں مکالے کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ امن و امان اور انصاف کے سوالات پر خود کو کیسے منظم کیا جائے یا یہ کہ وسائل کی تقسیم کیسے ہو۔ مختلف لوگ صاف و شفاف تجارت یا امن کی ضرورت کے متعلق بھی مکالے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیت بھی تمام محاذوں پر اپنے آپ کو مکالے میں مشغول رکھنا چاہتی ہے۔"

مکالمہ: عیسائیت کی تبلیغ کا موقع:

مسلمانوں سے دینی مکالے کے وقت عیسائی شرکاء کے پیشِ نظر کیا ہوتا ہے؟ مائیکل نذیر علی لکھتا ہے:

"Such dialogue will be an occasion for much listening but also for sensitive witness to God's work in Jesus Christ. It can almost be said that dialogue is both a necessary preparation and an occasion for the proclamation of the gospel."(10)

''ایسا مکالمہ زیادہ سننے مگر عیسیٰ مسیح [علیہ السلام] کے ذریعے خدا کے کام کی ایک حساس تبلیغ کا ایک موقع ہوگا۔ یہ بھی تقریباً کہا جا سکتا ہے کہ مکالمہ ایک لازمی تیاری اور انجیل کی اشاعت دونوں کا موقع فراہم کرتا ہے۔''

مکالمہ: عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ایک اساسی ضرورت

بشپ مائیکل نذیر علی نے انگلینڈ میں واقع قدیم تربیتی ادارے چرچ مشنری سوسائٹی سے تربیت یافتہ ماضی اور حال کے عیسائیوں کے اہداف کا ذکر یوں کیا ہے:

"The Church Missionary Society has been committed for many scores of years to the view that dialogue is the presupposition for Christian mission, for Christian witness. In other words, there can be no authentic Christian witness without prior dialogue. Unless we understand people's belief, their culture, the idiom of that culture, their thought forms, the intellectual tradition, the artistic tradition, the faith tradition, unless we understand these we will not be able to witness to people authentically as Christians. This is behind the strongly incarnational approach that CMS has taken in the past, and continues to take today."(11)

''چرچ مشنری سوسائٹی کئی عشروں سے اس نقطۂ نظر سے مخلص رہی ہے کہ مکالمہ عیسائیت کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے اساسی ضرورت ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ مکالمہ کیے بغیر عیسائیت کی مضبوط و مستحکم تبلیغ و اشاعت نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہم لوگوں کے عقائد، ان کی تہذیب و ثقافت، ان کی ثقافت میں رائج محاوروں، ان کی سوچ کے زاویوں، ان کی فکر و دانش کی روایت، ان کی فنونِ لطیفہ کی روایت، ان کے اعتقادات کی روایت کو نہیں سمجھتے، جب تک ہم ان تمام چیزوں کو نہیں سمجھتے ہم بحیثیت عیسائی دوسرے لوگوں کے درمیان مضبوط بنیادوں پر اپنی تبلیغ و اشاعت نہیں کر سکتے۔ یہ وہ ٹھوس مجسم مؤقف ہے جسے چرچ مشنری سوسائٹی نے نہ صرف ماضی میں اپنائے رکھا بلکہ آج بھی اسے جاری رکھے ہوئے ہے۔''

مکالمہ: دوسروں کی تہذیب و ثقافت کے مطالعہ کا ایک وسیلہ

عیسائیت کی مؤثر تبلیغ کی غرض سے مختلف ممالک کا سفر، لوگوں کے طرزِ زندگی، ثقافت، زبان وغیرہ کا مطالعہ کتنا اہم ہے؟ اس کے متعلق بشپ نذیر علی لکھتا ہے کہ:

"... so many distinguished missionaries--Temple Gairdner in Egypt, W.D.P. Hill in India, in our own days people like Roger Hooker and Christopher Lamb-- spent years in incarnational situations learning about

cultures and languages and peoples before they felt able to witness to them of Christian faith and Christian truth. This is absolutely essential. So mission cannot be hit and run. It cannot be at a distance." (12)

''اس لیے بہت سے نمایاں عیسائی مبلغین مثلاً ٹیمپل گیرڈنر نے مصر میں، ڈبلیو ڈی پی ہل نے ہندوستان میں اور ہمارے آج کے دَور میں روجر ہوکر اور کرسٹوفر لیمب جیسے لوگوں نے دوسرے لوگوں کے درمیان میں جا کر ان کی تہذیب و ثقافت، زبان کو سیکھا اور لوگوں کا گہرا مطالعہ کیا تب کہیں جا کر وہ انہیں عیسائی عقائد اور مسیحی سچائی کی تبلیغ کرنے کے قابل ہو سکے۔ یہ اصول بلاقید و استثناء لازمی ہے۔ اس لیے کہ مشن کوئی گوریلا جنگ نہیں ہے کہ مارو اور بھاگ جاؤ۔ عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت دور فاصلے پر بیٹھ کر نہیں جا سکتی۔''

مکالمہ: روحانی اقدار و روایات کے مطالعہ

کا ایک ذریعہ دوسری اقوام اور مسلمانوں کی روحانی اقدار و روایات کے خصوصاً گہرے مطالعے کی اہمیت عیسائیوں کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔ اسے وہ مکالمے کے دوران سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ بعد میں اپنی انجیل کی باتوں کو اسی رنگ اور قابلِ قبول انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ اسی کے متعلق بشپ نذیر علی لکھتا ہے:

"In every epoch of the Church's mission, the gospel has had to be embodied in the vocabulary, thought-forms and traditions of various peoples. The expression and mediation of the gospel in terms of a particular culture requires extended dialogue with the people of that culture. Such a dialogue has to include discussion of a people's intellectual, moral, and aesthetic traditions but, most of all, it needs to be about their spiritual tradition, or the ways in which they make sense of the world and the meaning they give to their own life."(13)

''عیسائیت کی تبلیغ کے ہر دَور میں انجیل کو مختلف اقوام کے ذخیرہ الفاظ، سوچ کے زاویے اور روایات کے رنگ میں ڈھال کر پیش کرنا پڑتا ہے۔ کسی خاص کلچر کی اصطلاحات میں انجیل کی تعلیمات کا بیان اور نفوذ اس کلچر کے لوگوں کے ساتھ ایک وسیع مکالمے کا متقاضی ہے۔ ایسے مکالمے کو لوگوں کی دانشورانہ، اخلاقی اور جمالیاتی روایات کے متعلق بات چیت اور مباحثے پر مشتمل ہونا پڑتا ہے لیکن سب سے بڑھ کر ضرورت اس بات کی ہے کہ مکالمہ ان کی روحانی اقدار و روایات کے متعلق ہو یا ان بنیادوں کے متعلق ہو جن سے وہ اس دُنیا کو سمجھتے اور اپنی زندگی کو بامعنی بناتے ہیں۔''

مکالمہ: تثلیث پر مبنی تصورِ خُدا کی اشاعت کا وسیلہ

عیسائیوں کے نزدیک مکالے کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے تصورِ خدا جو تثلیث (تین خدا یعنی خدا باپ، خدا بیٹا اور خدا روح القدس) پر مبنی ہے کی تبلیغ آسانی سے کر سکتے ہیں۔ اسی سلسلے میں بشپ نذیر علی نے واضح طور پر یوں وضاحت کی ہے:

"... the first, the *imago Dei*, the image of God in all human beings, which is certainly affected and spoilt by sin, but not destroyed by it. The Church can address humanity, can address human groups and cultures, because of the surviving image of God in them. And then there is the presence of the Logos, the light of the eternal Word, in all human beings that St John talks about in his prologue to the Gospel... And then, of course, there is the presence and work of the Holy Spirit in the world, and not only in the church. ... The basis for dialogue is thus shown to have a Trinitarian structure, and reminds us of the communicating God of theBible." (14)

''مکالے کی پہلی بنیاد تمام انسانوں میں خدا کی شبیہ کا پایا جانا ہے جو گناہ سے تو یقیناً متاثر اور مسخ ہو جاتی ہے مگر اس سے تباہ نہیں ہو جاتی۔ عیسائیت انسانیت کو مخاطب کر سکتی ہے، یہ لوگوں کے طبقات اور ان کی ثقافتوں کو مخاطب کر سکتی ہے کیونکہ ان میں خُدا کی شبیہ باقی ہے۔ پھر انسانوں میں لوگاس یعنی ابدی کلام کا نور پایا جاتا ہے جس کا ذکر یوحنا اپنی انجیل کے آغاز میں کرتا ہے... اور پھر یقیناً روح القدس کا وجود اور کام نہ صرف عیسائیوں میں بلکہ دُنیا میں بھی ہے۔ ... اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مکالے کی ساخت تثلیثی ہے جو ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ ہم بائبل کے تصورِ خُدا کی اشاعت کریں۔''

مکالمے کے لیے عیسائیت کے محاذ:

مکالے کے ذریعے عیسائی عموماً جید مسلمان علما سے ملنے سے کتراتے ہیں۔ مگر ایسے علما جنہوں نے عیسائیت کا گہرا مطالعہ نہیں کیا ہوتا یا وہ لوگ جو سرے سے علما کی صف میں شامل ہی نہیں ہیں، سے یہ لوگ مکالمہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً سائنسدان، فنکار، آرٹسٹ وغیرہ۔ اسی حوالہ سے بشپ نذیر علی نے لکھا ہے:

"The Church too is engaged in dialogue on a number of fronts, and its dialogue is not limited to that with people of other faiths. For example, the Church is and should be involved in dialogue with the scientific community about religious beliefs and ever-changing perceptions of

science, and how the one relates to the other. The Church needs to be in dialogue with the arts and the ways in which perceptions of transcendence are appreciated by artists."(15)

"عیسائیت بھی کئی ایک محاذوں پر مکالمہ میں منسلک ہے اور اس کا مکالمہ صرف دوسرے عقائد والے لوگوں تک محدود نہیں ہے۔ مثال کے طور عیسائیت سائنسدان طبقے سے دینی اعتقادات اور سائنس کے ہمیشہ بدلتے تصورات اور ان دونوں کے باہمی تعلقات کے متعلق مکالمہ میں مشغول ہے اور اسے مزید بڑھانا چاہیے۔ عیسائیت کو نہ صرف اصحاب فن و ہنر بلکہ ان کے ایسے طریقوں کے متعلق بھی جن کے ذریعے آرٹسٹ لوگ عالم بالا کے متعلق تصورات کو ظاہر اور نمایاں کرتے ہیں، مکالمہ کی ضرورت ہے۔"

یہ تو تھے مکالمہ میں مشغول ہونے کے لیے ان کے چند مقاصد اور اہداف۔ اگر مزید غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مکالمے کو باقاعدہ ایک فن اور سائنس بنا دیا ہے۔ جیسے وقت کے ساتھ ساتھ نئے تجربات کے نتیجے میں کئی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ مختلف عیسائیوں کے نزدیک مکالمے کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور ہر قسم کی ضرورت یا خصوصیت کیا ہوتی ہے؟

مکالمے کی قسمیں:

مختلف عیسائی فرقے اپنے مقاصد کی نوعیت مثلاً وقتی اور دیرپا، مقامی اور عالمی، دینی اور غیر دینی وغیرہ کے پیش نظر مکالمے کی کئی انواع و اقسام بیان کرتے ہیں۔ مائیکل نذیر علی نے اس سلسلے میں چار قسمیں ذکر کی ہیں۔ وہ اپنے عیسائی علما کا حوالہ دیتے ہوئے آج کل کے مکالمے کی قسمیں اور اس کے کئی پہلوؤں کی وضاحت یوں کرتا ہے:

The Christians have distinguished four different ways in which dialogue is conducted today. The first he calls discursive dialogue, that is to say when partners come together and exchange information about each other's beliefs. This is a necessary aspect of dialogue. From the Christian point of view it is an aspect of dialogue where Christians must be very attentive to their partners, talk less and listen more; of course, we are not known for this in the world, but when people are telling us what they believe we need to listen very attentively. Then Sharpe talks about dialogue which has to do with a common recognition of our humanity. Again this is a crucial area for dialogue today as we seek to discover each other's commitment to, for example, human rights and the rights of woman." (16)

''آج جن طریقوں سے مکالمہ منعقد کیا جاتا ہے عیسائیوں نے اس کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلے کو بیانیہ مکالے کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ مکالمہ جس میں شرکاء اکٹھے مل بیٹھتے ہیں اور ہر ایک اپنے عقائد کے متعلق معلومات کا تبادلہ کرتا ہے۔ یہ مکالے کا ایک اہم پہلو ہے۔ عیسائیوں کے نقطۂ نظر سے یہ مکالے کا وہ پہلو ہے جہاں عیسائیوں کو اپنے شریک گفتگو کی طرف بہت زیادہ متوجہ رہنا چاہیے، بولیں کم اور سُنیں زیادہ؛ بلاشبہ ہم دُنیا میں اس صبر کے لیے معروف نہیں ہیں لیکن جب لوگ ہمیں اپنے اعتقادات کے بارے میں بتا رہے ہوں تو ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ان کی بات توجہ سے سُنیں۔ پھر شارپ ایسے مکالے کی بات کرتا ہے جسے ہماری انسانیت کے متعلق عموماً تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آج کل کے مکالے کا ایک انتہائی سنجیدہ پہلو ہے کیونکہ ہم ایک دوسرے کے اخلاص کو دریافت کرتے ہیں مثلاً حقوقِ انسانی اور عورتوں کے حقوق۔''

"Third, Eric Sharpe refers to dailogue that is for the building up of community: if we are citizens of a particular nation, if we are members of a particular cmmunity, we will all be committed to the building up of that community. Dialogue is very important to ensure that we are working together for the building up of one community and not engaged in activities that divide communities into Muslim and Christian sectors, Hindu and Muslim and Christian sectors and so on."(17)

''تیسرے نمبر پر ایرک شارپ ایک ایسے مکالے کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا تعلق تعمیر قوم سے ہے۔ اگر ہم کسی خاص قوم کے فرد ہیں، اگر ہم کسی خاص طبقے کے فرد ہیں تو ہم اس قوم یا طبقے کی تعمیر کے متعلق مخلص ہوں گے۔ اس لیے مکالمہ اس بات کی یقین دہانی کے لیے بہت اہم ہے کہ ہم مل کر ایک قوم کی تعمیر کر رہے ہیں نہ کہ ایسی سرگرمیوں میں بٹے ہوئے ہیں جو لوگوں کو مسلمان، عیسائی اور ہندو وغیرہ کے خانوں میں تقسیم کرتی ہیں۔''

"There is also the dialogue which involves common study of a particular issue or belief with a view to removing misunderstandings and clarifying matters."(18)

''مکالے کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو کسی خاص مسئلے یا عقیدے کے متعلق ایک جامع مطالعے پر مشتمل ہوتی ہے تاکہ اس کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کیا جاسکے اور معاملات صاف ہو جائیں۔''

مندرجہ بالا میں مکالمہ کی جو قسمیں اور اہداف ذکر کیے گئے ہیں کیتھولک عیسائی ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مکالے کی چار قسمیں درج ذیل ہیں۔

کیتھولک عیسائیوں کے نزدیک مکالمے کی قسمیں:

فرقہ بازی کی فضا عیسائیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مندرجہ بالا میں مکالمہ کی قسمیں ایسے فرقے کی تھیں جو کیتھولک عیسائیوں کا مخالف ہے۔ کیتھولک عیسائیوں کے نزدیک مکالمے کی قسموں اور ناموں کے فرق کو بشپ مائیکل نذیر علی یوں بیان کرتا ہے:

"The Vatican's divisions are the dialogue of life, the dialogue of deeds, the dialogue of specialists and the dialogue of the interior life."(19)

واٹیکن کے مطابق مکالمے کی چار قسمیں یہ ہیں: زندگی کے متعلق مکالمہ، اعمال کا مکالمہ، اصحابِ تخصص کا مکالمہ اور داخلی زندگی کے متعلق مکالمہ۔ [۲۰]

اصل اغراض کا کھلم کھلا اظہار:

جمہوریت، سماجی ہم آہنگی، انصاف، امن، بھائی چارہ اور حقوقِ انسانی وغیرہ کے عنوانات کے پردوں میں چھپ کر جب عیسائی آتے ہیں تو اچھے بھلے سمجھ دار لوگ بھی بعض اوقات ان کے پھندوں میں پھنسنے سے نہیں بچ پاتے۔ افغانستان اور عراق کے مسلمانوں کا خون بہانے اور ان کا قتل عام کرنے میں عیسائیوں اور اُن کے لیڈروں سے کون واقف نہیں۔ ٹونی بلیئر آج کے عیسائیوں کا مجاہد(Christian Soldier) ہے[۲۱] اور جارج بش نے مڈ لینڈ سے تعلق رکھنے والے اپنے دوست ڈون ایوانز(Don Evans) کے ساتھ کئی سال تک بائبل سٹڈی کلاسوں میں شرکت کی۔[۲۲] ان مذہبی عیسائیوں نے یہودیوں سے مل کر دُنیا میں جمہوریت اور امن عام کرنے کے بہانے جو حال کیا ہے اس سے کون واقف نہیں۔ ان کا مقصد صرف ایک ہے جسے قرآن مجید نے اپنے نزول کے وقت بیان کر دیا تھا اور مسلمانوں کو اس سلسلے میں خبردار کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ o [۲۳]

ترجمہ: ”اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کریں۔ فرما دیجیے بیشک اللہ کی ہدایت ہی (سیدھے راستہ کی) ہدایت ہے اور (اے مخاطب) اس کے بعد کہ تیرے پاس علم آچکا اگر تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تجھے اللہ (کی گرفت) سے بچانے کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار۔“ [۲۴]

موجودہ عیسائیت کے بانی پولوس یہودی، موجودہ عیسائیوں اور ان کے لیڈروں کے طرزِ عمل میں کتنی ہم آہنگی اور گہرا تعلق ہے؟ دوسری اقوام سے معاملہ کے وقت ان کے قول و فعل میں کتنا تضاد ہوتا ہے؟ یہ

ظاہر میں کیا اور باطن میں کیا ہوتے ہیں؟ اُسے یہ ہمیشہ نہیں چھپا سکتے اور ان کا اصل چہرہ بالآخر سامنے آ ہی جاتا ہے۔ اگر ان کے مختلف فرقوں کے درمیان کوئی اختلاف ہو بھی تو اس کی حقیقت اور نوعیت کیا ہوتی ہے؟

درج ذیل میں مائیکل نذیر کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

"But dialogue is not only preparatory to witness, *it is also the means to witness*, and here I have been somewhat distressed by the ambivalence in the ecumenical movement on this question. Some document such as the guidlines on dialogue produced by the British Council of Churches, say clearly that dialogue is a medium for authentic witness. But other documents of the World Council deny this and make every effort to claim that the occasion of dialogue must not be an occasion for Christian witness. I think the concern behind this is that our partners should not see our efforts at dialogue as efforts at proselytization, and that concern is valid."(25)

"لیکن مکالمہ نہ صرف تبلیغ و اشاعت کے لیے تیاری کا موقع ہوتا ہے بلکہ تبلیغ و اشاعت کا ایک ذریعہ اور وسیلہ بھی ہے۔ اور یہاں میں اس سوال پر اقومانی تحریک میں پائے جانے والے تذبذب کی وجہ سے اُداس رہا ہوں۔ مکالے کے متعلق برٹش کونسل آف چرچز کی طرف سے جاری کردہ ہدایات پر مبنی دستاویزات صاف صاف کہتی ہیں کہ مکالمہ ایک مضبوط اور مستحکم تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ لیکن ورلڈ کونسل کی دوسری دستاویزات اس کا انکار کرتی ہیں اور یہ دعویٰ کرنے کی ہر کوشش کرتی ہیں کہ مکالے کی محفل کو عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کا موقع ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس اہتمام کے پیچھے یہ فکر کارفرما ہے کہ مکالے میں ہمارے ساتھ شرکاء یہ نہ سمجھیں کہ مکالمہ ہماری طرف سے انہیں عیسائی بنانے کی ایک کوشش ہے۔ اور یہ سوچ و اہتمام جائز ہے۔"

اوپر عیسائیوں کی اقومانی تحریک اور اس میں پائے جانے والے تذبذب کا ذکر آیا ہے۔ مناسب ہے کہ یہاں اس کے تعارف میں چند الفاظ کہہ دیے جائیں۔

اقومانی تحریک کیا ہوتی ہے؟

ورلڈ زوَرتھ ڈکشنری آف بلیف اینڈ ریلیجن اس تحریک کے متعلق یوں لکھتی ہے:

"A movement seeking visible unity of divided churches and denominations within Chrisianity. The 4th century and 5th century 'Ecumenical Councils' had claimed to represent the Church in the whole

world. A dramatic increase of interest in ecumenism and the reuniting of churches followed the Edinburgh Missionary Conference (1910), and led to the formation in 1948 of the World Council of Churches. Assemblies are held every seven years, the decisions of which guide but do not bind member churches. The movement encourages dialogue between churches of different denominations, unions where possile (as in the churches of North and South India), joint acts of worship, and joint service in the community."(26)

"اقوامی تحریک ایک ایسی تحریک ہے جو عیسائیت کے اندر پائے جانے والے فرقوں اور کئی حصوں میں بٹے طبقوں کو واضح طور پر متحد کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی کی اقوامی کونسلوں نے دُنیا بھر کی عیسائیت کی نمائندگی کا دعویٰ کیا تھا۔ اقوامی نظام اور باہم دست و گریبان عیسائی گروہوں کو دوبارہ متحد کرنے میں دلچسپی میں ڈرامائی اضافہ ایڈنبرا مشنری کانفرنس (۱۹۱۰ء) کے بعد ہوا اور اس نے ترقی کر کے ۱۹۴۸ء میں ورلڈ کونسل آف چرچز کی شکل اختیار کر لی۔ ہر سات سال بعد ان کے اجتماعات ہوتے ہیں جن میں ایسے فیصلے کیے جاتے ہیں جو مختلف عیسائی فرقوں کو ہدایات جاری کرتے ہیں لیکن وہ ان پر عمل کرنے کے پابند نہیں ہوتے۔ یہ تحریک مختلف عیسائی فرقوں اور اتحادات کے درمیان ممکن حد تک (جیسا کہ جنوبی اور شمالی ہندستان) مکالمے، مشترکہ عبادات، اور لوگوں کی مشترکہ خدمت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔"

ایک کامیاب مکالمہ:

عیسائیوں کے نزدیک ایک کامیاب مکالمہ کیسا ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں مائیکل نذیر علی لکھتا ہے:

"For Christians, dialogue will always be about listening and learning; our partner's faith may shed unexpected light on our own. We must, however, also be committed to let the light of Christ shine through our conversation and reflection. Without that, dialogue remains unfulfilled for the Christians."(27)

"عیسائیوں کے لیے مکالمے کا مقصد ہمیشہ سُننا اور سیکھنا رہے گا۔ ہمارے شرکاء کا عقیدہ ہمارے اپنے عقیدے پر غیر متوقع روشنی ڈال سکتا ہے۔ تاہم ہمیں بھی وقف رہنا چاہیے کہ مسیح [علیہ السلام] کی روشنی ہماری گفتگو اور افکار سے پھوٹتی رہے۔ اس کے بغیر مکالمہ عیسائیوں کے نزدیک ناکام رہتا ہے۔"

اہلِ پاکستان پر تنقید:

بشپ مائیکل نذیر علی کی بنیاد پرستی اور پاکستان دشمنی کا اندازہ لگانے کے لیے اس کی کتاب مشن

اینـــــڈ ڈائیــلاگ سے صرف ایک اقتباس نقل کرتے ہیں تا کہ قارئین کو عیسائی مصنفین اور رہنماؤں کی ذہنیت، ان کی اسلام دشمنی اور انسانیت مخالف طبیعت کا پتہ چل سکے۔ وہ لکھتا ہے:

"The incarnation, and kenosis, which is a giving-up, an emptying ('our Lord Jesus Christ,...though he was rich, yet for your sakes he became poor', 2 Cor. 8:9), bring us all to alertness about sacrifice. Most people in the West these days know very little about sacrifice. They may talk about it and may even preach about it, but how many have actually seen a sacrifice? Every year in Pakistan we are all treated to this spectacle, and I cannot pretend that it is a pleasant occasion, but you do see sacrifice."(28)

"تجسم اور کینوسس یعنی ترک کرتے رہنا اور خالی کرنا ہم سب کو قربانی کے متعلق خبردار کرتے ہیں۔ مغرب میں آج کل بہت سے لوگ قربانی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ وہ اس کے متعلق بات چیت بھی کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اس کی تبلیغ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن کتنوں نے درحقیقت قربانی دیکھی ہے؟ پاکستان میں ہر سال ہم سب کو یہ منظر دکھایا جاتا ہے اور میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کوئی دلچسپ اور خوشگوار موقع ہوتا ہے لیکن آپ قربانی کو ضرور دیکھیں۔"

مکالمے میں مسلمان شرکاء کے لیے چند تجاویز:

سابقہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مکالمے کے ذریعے عیسائی کون سے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مکالمہ کسی سے بھی ہو اسلام کے نزدیک یہ کوئی شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ غالباً اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تعلیم دینے کے لیے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ O [۲۹]

ترجمہ: (میرے نبی!) آپ کہئے اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے اور نہ شریک ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنائے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا پھر اگر وہ روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہل کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "انسانیت جو آج مختلف اور مخالف گروہوں میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ جس کے باعث گلشن ہستی جہنم زار بن گیا ہے اس کے اتحاد کی حقیقی اور محکم بنیاد عقیدۂ توحید ہے جو دنیا کی ساری حقیقتوں سے واضح تر اور روشن ترین حقیقت ہے۔

اُور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لیے اہل کتاب کو دعوت دی۔''۳۰

اس سے معلوم ہوا کہ مکالمے میں شریک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور ﷺ کی سنت پر عمل کرے اور عیسائیوں کو تثلیث چھوڑنے اور توحید اختیار کرنے کی دعوت دے۔ لیکن ہر مسلمان تو اس دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ جس موضوع پر بات ہو رہی ہو اگر شریک مکالمہ کو اس کے بنیادی اُمور کا علم نہ ہو تو وہ مکالمے میں اسلام کے مؤقف کی نمائندگی کیسے کر سکتا ہے؟ اس لیے ہم درج ذیل میں اس سلسلے میں دلچسپی رکھنے والے حضرات کی خدمت میں چند تجاویز پیش کرتے ہیں۔ تا کہ وہ مکالمے کے دوران صرف جامد و ساکت سامع کا کردار ادا نہ کریں بلکہ ایک فعال مسلمان کا طرزِ عمل اختیار کر سکیں۔

۱۔ مکالمہ میں شریک ایک مسلمان کو چاہیے کہ کم از کم قرآن مجید کی ان آیات کا گہرا مطالعہ رکھتا ہو جو عیسائیوں کے عقائد، اعمال اور دوسرے ضروری امور کے سلسلے میں رہنمائی کرتی ہیں۔ مثلاً سورۃ آل عمران: ۵۲، ۵۵، ۵۹، ۷۰۔۷۱؛ البقرۃ: ۱۳۶۔۱۴۰؛ سورۃ النساء: ۱۵۷۔۱۵۸، ۱۷۱؛ سورۃ المائدۃ: ۷۳، ۱۱۶۔۱۱۷ وغیرہ۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث، بنوۃ و الوہیت مسیح علیہ السلام، الوہیت مریم علیہا السلام، صلب مسیح وغیرہ کا رد فرمایا ہے۔ ان آیات کی تفسیر کا مطالعہ کرنے کے لیے کم از کم امام محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر روح المعانی، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر، علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیرِ نعیمی اور پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ضیاء القرآن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

۲۔ قرآن مجید کے علاوہ مختلف مسلمان علما کی کتب مثلاً امام غزالی کی کتاب الرد الجمیل، ابن تیمیہ کی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی مشہور کتاب اظہار الحق جس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے وغیرہ کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

۳۔ تاریخ عیسائیت کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ خصوصاً پاپائیت کی تاریخ جس میں دوسرے مذاہب والوں اور پروٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائیوں کے ساتھ پوپ کا رویہ کیسا رہا۔

۴۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ جس میں مسلمان علما کو عیسائی مشنریوں کی کوششوں کے نتیجے میں کالے پانیوں میں مصائب برداشت کرنے پڑے۔

۵۔ ان لوگوں کے واقعات جنھوں نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا، کا مطالعہ بہت مفید رہتا ہے۔

۶۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ جس میں عیسائیوں نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ اس موضوع پر تاریخی کتب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

۸۔ سب سے اہم یہ ہے کہ موجودہ عالمی حالات کا مطالعہ کہ اس میں عیسائی کس طرح حصہ لے رہے ہیں؟ عراق میں کس طرح بم اور بائبل لے کر آئے ہیں؟

۹۔ اپنے اردگرد کا مطالعہ کہ کس طرح عیسائی تبلیغی مشنریاں مسلمانوں کو کبھی پیسوں کا اور کبھی ویزے کا لالچ دیکر عیسائی بنالیتے ہیں۔

۱۰۔ عیسائیت کے پرچار کے لیے شائع کیے جانے والے اخباروں اور رسالوں کا مطالعہ بھی ضرور باقاعدگی سے کرنا چاہیے۔

۱۱۔ مکالمہ میں شرکت سے پہلے چند مسلمان علماء مل بیٹھ کر اس سلسلے میں مناسب تیاری کریں اور ڈائیلاگ کے موضوع پر کچھ کتابوں کا مطالعہ ضرور کرلیا کریں۔

۱۲۔ اللہ کریم، اس کے محبوب ﷺ اور اپنے دین وملت سے محبت رکھنے والے مسلمانوں پر لازمی ہے کہ وہ دوسرے ادیان کے گہرے مطالعے کے لیے ادارے اور کتب خانے قائم کریں اور جدید دور کے مقامی اور عالمی تقاضوں کے مطابق اعلیٰ سطح کے تربیتی پروگراموں کا نیٹ ورک ترتیب دیں۔ اور مختلف زبانوں میں معیاری مجلات کا اجراء کریں۔

۱۳۔ دُنیا میں جہاں کہیں بھی اس قسم کے ادارے کام کر رہے ہوں ان کے ساتھ باہمی تعاون کی غرض سے مسلسل رابطہ رکھیں۔

حواشی اور حوالہ جات

۱۔ اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لیے عطاء اللہ صدیقی کی کتاب "***Christian-Muslim Dialogue in Twentieth Century***, (London: Mc Millan Press, 1997; New York: St. Martin's Press, 1997)" کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

(2)*NEWSWEEK* (March 10, 2003), p. 17 (3) ibid, p. 21

۴۔ کتاب مقدس، متی ۱۰:۱۶۔ ۵۔ کتاب مقدس، مرقس ۶:۸۔۹۔

۶۔ کتاب مقدس، لوقا ۲۲:۳۶۔ ۷۔ کتاب مقدس، ۱۔ کرنتھیوں ۹:۱۹،۲۰۔۲۳۔

۸۔ مائیکل نذیر علی روچسٹر (Rochester) کے بشپ ہیں۔ اس عہدہ سے پہلے وہ چرچ مشنری سوسائٹی کے سکریٹری جنرل تھے۔ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ مثلاً

1. *From Everywhere To Everywhere* (Collins, 1991) 2. *Frontiers in Muslim/Christian Encounter* (Regnum Books, 1987) 3. *Islam: A Christian Perspective* (Paternoster, 1983)

(9) Michael Nazir-Ali, ***Mission and Dialogue***, (London: Society for Promoting Christian Knowledge (SPCK), 1995), p. 58

(10) ibid, p. vii (preface)
(11) ibid, pp. 82-83
(12) ibid, p. 83
(13) ibid, p. 29
(14) ibid, p. 59; p. 76
(15) ibid, p. 75
(16) ibid, p. 81
(17) ibid, p. 82
(18) ibid, p. 60
(19) ibid, p. 82

۲۰۔ اختصار کی خاطر ہم مکالمے کی ان چار قسموں کے متعلق تفصیلی بحث کو آئندہ کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات اس سلسلے میں کیتھولک مجلّہ "اچھا چرواہا" (جلد ۴، شمارہ ۴، ۲۰۰۲ء)، پاسٹرل انسٹی ٹیوٹ، نقشبند کالونی، ملتان میں کارڈینل فرانسس آرنزے کے مضمون (ص ۱۷۶۔۱۸۰) کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

۲۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: *NEWSWEEK*, (December 3, 2001), p. 39

۲۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: *NEWSWEEK*, (December 3, 2001), p. 21

۲۳۔ سورۃ البقرۃ: ۱۲۰

۲۴۔ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ "البیان"، (کاظمی پبلی کیشنز، کچہری روڈ، ملتان، ایڈیشن دوم، ۱۹۹۸ء)

(25) Michael Nazir-Ali, ***Mission and Dialogue***, op.cit., p. 83

(26) Rosemary Goring (ed.), *The Worldsworth Dictionary of Beilefs and Religions*, (Hertfordshire, Britain: Wordsworth Reference, 1995), p.155

(27) Michael Nazir-Ali, ***Mission and Dialogue***, p. 83

(28) ibid, pp. 10-11

۲۹۔ سورۃ آل عمران: ۶۴

۳۰۔ پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر ضیاء القرآن، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز) ج ۱، ص ۲۳۹۔۲۴۰

(تاریخ تحریر: بدھ ۲۸ جنوری ۲۰۰۴ء، اسلام آباد)

روداد پاکستان ۲۰۰۱ء (قسط......۲)

(۲۲ر اپریل تا ۱۲ر مئی ۲۰۰۱ء)

از: محمد زبیر قادری

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب نے مجھ سے کراچی روانگی سے قبل ممبئی میں فون پر رابطہ کیا تھا۔ انہیں دارالعلوم دیوبند سے متعلق کچھ کتابوں کی ضرورت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اپریل ۲۰۰۱ء میں پاکستان کے شہر ملتان میں دارالعلوم دیوبند کا ڈیڑھ سو ۱۵۰ سالہ جشن منایا گیا تھا جس میں ہندوستان سے اسعد مدنی نے بھی شرکت کی تھی۔ اس جشن کے پیچھے کوئی اور ہی مقصد پوشیدہ تھا۔ چونکہ اس جشن کی تشہیر اس طرح کی گئی کہ جیسے اہل مدرسۂ دیوبند ہی مسلمانوں کے اصل خیر خواہ اور جہادِ آزادی میں نمایاں کردار ادا کرنے والے لوگ ہیں۔ میڈیا کے گمراہ کن کووریج کی وجہ سے اکثریت مغالطہ میں مبتلا ہو رہی تھی۔ اس لیے دارالعلوم دیوبند اور مسلکِ دیوبند کی صحیح تصویر عوام کے سامنے لانے کی ضرورت تھی۔ اور جس کا مواد انہی کی کتابوں سے مل سکتا تھا۔ اس لیے مولانا کوکب صاحب کو اُن کتابوں کی ضرورت تھی جو کہ وہاں نہیں مل رہی تھیں۔ مَیں نے اُن کے لیے اپنے ادارے الدارالسنّیہ کی شائع کردہ کتاب "دارالعلوم دیوبند کا بانی کون؟" مصنفہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم لے لی تھی۔ اور اپنی بساط بھر اُن کی مطلوبہ کتب کی تلاش کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ لیکن مَیں جب وہاں پہنچا اور مجھے تفصیل کا علم ہوا تو بہت افسوس ہوا کہ اگر میری مزید کوشش سے وہ کتابیں مل جاتیں تو بہت مفید ثابت ہوتا۔ اور اس کارِ خیر میں کچھ میرا بھی حصہ ہو جاتا۔

مولانا کوکب صاحب مجھے اور میرے کزن کو ہماری رہائش گاہ کے قریب کار سے اُتار کر روانہ ہوگئے۔ اور میرا ذہن اُن کی ایک مختلف ہی شبیہ بنانے میں مصروف تھا۔

بروز پیر ۲۳ر اپریل ۲۰۰۱ء اپنے آنے کی انٹری وغیرہ تمام کاموں سے فراغت پاکر مَیں ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے دفتر پہنچا۔ حسبِ معمول وہاں ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری صاحب (سیکریٹری ادارہ) نے والہانہ استقبال کیا۔ اس کے علاوہ سید محمد خالد صاحب اور دو نئے افراد شیخ ذیشان احمد قادری اور محمد فرحان الدین قادری سے بھی ملاقات ہوئی جو کہ میرے ۱۹۹۹ء کے سفر کے دوران ادارہ کے اسٹاف میں شامل نہیں تھے۔ آفس کا سیٹ اپ بھی بالکل تبدیل ہو چکا تھا۔ جو پہلے سے بہتر خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ کتابوں کے ریک پر ادارہ کی مطبوعات اور دیگر اداروں کی تازہ مطبوعات برائے فروخت رکھی ہوئی تھیں۔

مَیں نے ڈاکٹر اقبال صاحب کو اپنے ساتھ لائے ہوئے چند احباب کے مکتوبات اور نئی مطبوعات و افکارِ رضا کے تازہ شمارے پیش کیے۔ پھر ہمارے درمیان گفتگو ہونے لگی۔ حال و احوال، ہند و پاک میں

اہل سُنّت کے تازہ حالات اور ہونے والی پیش رفت پر گفتگو ہوتی رہی۔ میرے لیے کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ کھانا کھانے کے بعد مَیں نے مولانا کوکب نورانی صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے مجھے فوراً اپنی مسجد گلزارِ حبیب میں آنے کی ہدایت کی۔ وہ مجھے کسی سے ملانا چاہتے تھے۔

مَیں فوراً ہی وہاں کے لیے روانہ ہوگیا۔ گلزارِ حبیب مسجد، علاقہ سولجر بازار میں واقع ہے جو کہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے دفتر سے دس منٹ کے فاصلہ پر ہے۔ مَیں جب وہاں پہنچا تو وہاں پہلے سے مولانا کوکب نورانی صاحب کے علاوہ چند لوگوں کو موجود پایا۔

سب سے پہلے مولانا نے جس شخص سے متعارف کروایا وہ ایک ۳۷۔ ۳۸ سالہ بے ریش نوجوان تھے۔ یہ تھے سیّد صبیح الدین صبیحؔ رحمانی صاحب۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی مذاق میں کہا، بہت دنوں سے سُنتے آرہا تھا کہ شیر آیا شیر آیا۔ آخر کو شیر آ ہی گیا۔ مولانا کوکب صاحب میرا تعارف پہلے سے کرا چکے تھے۔ مجھے انہوں نے بتایا کہ یہ صبیحؔ رحمانی ہیں۔ بہترین نعت لکھتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں۔ یہاں سے نعتیہ ادب پر ایک تحقیقی وتنقیدی مجلّہ شائع کرتے ہیں "نعت رنگ"۔ آپ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو جان لیں اور ایک دوسرے کا تعاون کریں۔ اس طرح تیزی سے کام آگے بڑھے گا۔ اُس وقت تو مَیں اُن سے صرف سرسری ملاقات کرسکا۔ اُنہوں نے اپنا رابطہ کا کارڈ دیا اور مزید ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

وہاں پر ایک اور نوجوان ناصر علی جہانگیر صاحب بھی بیٹھے تھے۔ تعارف ہونے پر معلوم ہوا کہ یہ صاحب کراچی سے ایک ہفت روزہ اخبار "ضربِ اسلام" شائع کرتے ہیں اور اس کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ یہ اخبار غیر مقلدین کی ایک تنظیم لشکرِ طیبہ کا ہفت روزہ "ضربِ مومن" کے ردّ میں شائع ہوتا ہے۔ انہوں نے بھی اپنا تعارفی کارڈ دیا اور آفس میں آنے کی دعوت دی۔ مجھے اُس نوجوان پر رشک آیا کہ آج کے دور میں اخبار چلانا دل گردے کا کام ہے۔

لگتا تھا کہ مولانا کوکب صاحب نے میری آمد کے ساتھ ہی وہاں مسلکِ اہل سنت کا کام کرنے والے افراد کو جمع کرلیا ہو۔ وہاں پر انجمن طلبۂ اسلام کے بھی دو افراد موجود تھے۔ اس تنظیم کا ہر فرد پڑھا لکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تنظیم پورے پاکستان کے تعلیمی اداروں (اسکول، کالج، یونی ورسٹی وغیرہ) کے سُنّی طلبہ پر مشتمل ہے۔ اراکینِ تنظیم نے مجھے اپنے دفتر میں مدعو کیا اور مَیں نے حامی بھرلی۔

اتنے اہم افراد سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ربّ کریم کے فضل سے دین وسُنّیت کی خدمت کا جذبہ ہر جگہ موجود ہے۔ اور جب چند مختلف اداروں کے افراد مل جل کر ایک دوسرے کے تعاون سے کام کرتے ہیں تو بہت ہی مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اسی مقصد کے تحت مولانا کوکب نورانی صاحب نے ہمیں آپس میں ملوایا تھا۔ لیکن ان لوگوں کے درمیان احقر اپنے کو کمتر محسوس کررہا تھا کہ میری کیا حیثیت

ہے ان لوگوں کے درمیان۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پتہ نہیں سب کام کس طرح ہوجاتے ہیں ورنہ من آنم کہ نمی دانم۔ کافی دیر گفت وشنید کے بعد میں وہاں سے رخصت ہوا۔ اس طرح آج کا دن بہت مفید و کارآمد ثابت ہوا۔

بروز منگل ۲۴ر اپریل ۲۰۰۱ء آج بھی دوبارہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے دفتر روانہ ہوا۔ یہاں آنے سے مجھے ہمیشہ یہ فائدہ ہوتا ہے کہ رضویات پر ہونے والی تازہ پیش رفت سے واقفیت ہوجاتی ہے۔ ادارہ کے موجودہ سربراہ جناب سیّد وجاہت رسول قادری صاحب اعلیٰ حضرت کے مشن کو مزید وسعت دینے کے لیے بین الاقوامی سطح پر سرگرم ہیں۔ آپ نے علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے ساتھ مصر کا دورہ کیا۔ جامعہ ازہر، مصر میں آپ نے امام احمد رضا کا از سر نو کرایا۔ علامہ شرف صاحب کے صاحب زادے ممتاز احمد سدیدی وہاں جامعہ ازہر میں زیر تعلیم ہیں۔ ہند و پاک کے علما نے جب جامعہ ازہر میں اعلیٰ حضرت کا تعارف کرایا تو وہاں کے اساتذہ بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ اب وہاں بھی رضویات پر کام ہونے لگا ہے۔ مصر سے اب تک اعلیٰ حضرت پر کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

دنیا بھر میں اگر کسی کو امام احمد رضا پر تحقیقی کام کرنا ہو یا کسی یونی ورسٹی کے تحت ایم فل، پی ایچ ڈی وغیرہ کرنا ہو تو وہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی سے رابطہ کرے۔ اُس کو بھرپور رہنمائی مل جائے گی۔ یہاں کی لائبریری میں رضویات پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔

میرا پاکستان آنے کا مقصد یہاں سے مسلکِ اہل سنت پر ہونے والے کام سے استفادہ کرنا رہا ہے۔ میں اپنے سفر میں علما کرام، محققین حضرات اور سُنّی اداروں سے استفادہ کرتا ہوں۔ یہاں سے ہر قسم کا سُنّی لٹریچر جو انڈیا نہیں پہنچتا ہے وہ لے جاکر اس کی اشاعت کے لیے کوشش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان سے ہندوستان لائی ہوئی بے شمار کتابیں شائع ہوکر عوام وخواص کو فائدہ پہنچارہی ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے ایک دوست ابوبکر عطاری نے پاکستان کے مکتبۂ اعلیٰ حضرت کی نقالی میں ممبئی میں مکتبۂ اعلیٰ حضرت قائم کرلیا ہے۔ جو کہ مکتبۂ اعلیٰ حضرت، پاکستان کی شائع کردہ تمام کتابوں کو شائع کررہا ہے۔ بلکہ اُن کتابوں کے ہندی تراجم بھی شائع ہوچکے ہیں۔ اُن کو تقریباً تمام کتابیں میں نے ہی فراہم کی تھیں بلکہ اب بھی نئی نئی کتابیں جو مجھے بذریعہ پوسٹ ملتی ہیں اُن کو اشاعت کے لیے دیتا رہتا ہوں۔

کراچی آنے پر میں کھارادر ضرور جاتا ہوں کیونکہ یہ علاقہ کراچی میں سُنّی کتابوں کا مرکز ہے۔ اب تو دعوتِ اسلامی کے مرکز فیضانِ مدینہ واقع سبزی منڈی پر کئی مکتبے کھل گئے ہیں جہاں پر ہر طرح کی سُنّی کتابیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ کھارادر میں ہی دعوتِ اسلامی کا مرکزی مکتبہ، مکتبۃ المدینہ ہے جس سے متصل شہید مسجد ہے جہاں ایک عرصہ تک مولانا محمد الیاس قادری صاحب لوگوں سے ملاقات کیا کرتے

تھے۔ یہاں کے مکتبہ مدینہ، ضیاء الدین پبلشرز (برکاتی پبلشرز) کے مکتبوں پر گیا اور تازہ آنے والی کتابوں میں سے اہم اور اپنے مشن کے لیے مفید کتابیں اور سی ڈیز خرید لیا۔ یہیں پر جناب سید اللہ رکھا باپو صاحب (سربراہ جمعیت اشاعتِ اہل سُنّت) سے بھی ملاقات کے لیے گیا۔ اس علاقہ میں اُن کی سندھ پتھالوجیکل لیبارٹری ہے۔ ان سے مسلک اہل سُنّت کی ترویج و اشاعت کے تعلق سے مفید باتیں ہوئیں۔ اللہ رکھا باپو صاحب مجھے کبھی بھی کھانا کھلائے بغیر نہیں جانے دیتے۔ جمعیت اشاعتِ اہل سُنّت برسوں سے دینی کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کرنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کے یہ لوگ مختلف پروگرام کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہم لوگ اس علاقہ میں ایک دارالعلوم کے قیام کے لیے کوشاں ہیں کہ اس علاقہ میں ایک بھی دارالعلوم نہیں ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی (ابن حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی) کے متعلق انہوں نے مجھے بتایا کہ شاہ صاحب کو سُنّیوں نے کیا دیا۔ جب کہ انہوں نے تن من دھن سے مسلک کی اشاعت کے لیے کوششیں کی۔ سیاست میں جب الیکشن میں کھڑے ہوئے تو سُنّیوں نے انہیں ووٹ ہی نہیں دیا۔

پاکستان میں سُنّیوں کے بے شمار دینی ادارے، مدارس، تنظیمیں، علما اور خانقاہیں موجود ہیں اور انہیں ہندوستان کے مقابلہ میں ہر طرح کے وسائل بھی حاصل ہیں مگر اس کے باوجود وہاں بھی اختلافات نے سب کو ایک دوسرے سے دور کر رکھا ہے۔ جمعیت علمائے پاکستان جو کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد ہی وجود میں آئی تھی اور جس میں اپنے وقت کے اکابر علما شریک تھے۔ آپسی اختلاف کی وجہ سے کئی دھڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ نورانی گروپ، نیازی گروپ وغیرہ۔ ہر گروپ کا لیڈر کوئی بڑا عالمِ دین ہی تھا۔ اسی طرح تقریباً تمام ہی تنظیموں، تحریکوں کا یہی حال ہے۔ جب گروپ بندیاں ہوجاتی ہیں تو یہ نہیں کہ کام میں اضافہ ہو۔ نہیں بلکہ نصف سے زیادہ سرمایہ، قوتیں اور وقت آپسی سر پھٹول میں برباد ہوجاتا ہے۔ ایک دوسرے کا وجود بھی گوارا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی مسلک کے ہوتے ہوئے بھی آپس میں سلام کرنا ترک کردیتے ہیں۔ جبکہ اگر آپ نے تنظیم کسی بھی نقطۂ نظر سے الگ بنالی ہے تو آپ اپنے طور پر کام کرو دوسرا اپنے طور پر کرے۔ ایک دوسرے کے کاموں میں مدد دو، تعاون کرو۔ صرف یہ سوچ کر ہی متحد ہوکر کام کریں تو بے حد مفید ہوگا کہ ہم کو اپنے مخالفین کو شکست دینی ہے۔ گستاخانِ رسول ﷺ کی قوتوں کو توڑنا ہے۔ اسلام کے دشمنوں کو مٹانا ہے۔ بھلے آپ انفرادی اکائی بن کر رہو مگر باطل قوتوں کے سامنے تو متحد ہوجاؤ۔ اسی میں ہماری کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو متحد ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(باقی آئندہ۔۔۔ ان شاء اللہ)

رضا نامے

○ مولانا عبد المبین نعمانی، دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو

سہ ماہی افکار رضا' جولائی تا ستمبر اور اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء آیا۔ ہر دو شمارہ بہترین مضامین پر مشتمل ہے، خاص طور سے فاروق القادری صاحب کا مضمون "مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ" بڑا ہی فکر انگیز اور لائق توجہ ثابت ہوا۔ ضرورت ہے کہ اس مضمون کو عام کیا جائے۔ آج وہابیت کے فروغ کا سب سے بڑا سبب یقیناً مزارات پر ہونے والی غلطیاں ہیں، چادروں کی چوما چاٹی، کہیں کہیں سجدے، غیر ضروری سجاوٹ، چادروں کی بھرمار، اور جلوسوں کی بہتات، نمازوں سے غفلت جو ستم ڈھا رہی ہے بس کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ حیرت ہے عرس میں ہر پروگرام کو اہمیت حاصل ہے سوائے نماز کے۔ ایک منٹ قل کی تاخیر پر واویلا مچ جاتا ہے، نمازیں چھوٹ رہی ہیں کچھ غم نہیں۔ بیش تر سجادہ نشین حضرات مریدوں سے ملنے کا تو خوب اہتمام کرتے ہیں پر مساجد میں خدا سے ملنے کی انھیں فرصت نہیں۔ آخر یہ مرید بیچارے کیا اثر لے کر گھر جاتے ہیں، بس آل اولاد کی خوش حالی اور ترقیٔ مال و دولت کی دعائیں۔ نماز اور اذان کے وقت بھی چادر پوشی، چادر کا جلوس اور فاتحہ خوانی کی وبا تو اب محتاط عرسوں میں بھی عام ہوتی جا رہی ہے۔ کہیں دبے پاؤں تو کہیں کھلے عام عورتوں کی حاضری بھی برداشت کی جا رہی ہے۔ جس کے مضر اثرات بے انتہا ہیں۔

○ خلیل احمد رانا، جہانیاں، ضلع خانیوال، پنجاب، پاکستان

ایک طویل عرصہ کے بعد رابطہ استوار کر رہا ہوں، وہ بھی ای میل کے ذریعہ۔ آپ کو ای میل سے اپنا مضمون "مولانا شاہ گل محمد قادری علیہ الرحمہ" پر بھیجا ہے جو کہ بالکل تازہ مضمون ہے۔ یہاں پاکستان میں فقیہ اعظم پبلی کیشنز، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، ضلع اوکاڑہ نے مکہ مکرمہ کے کشمی خاندان کے علما پر ایک کتاب بنام "مکہ مکرمہ کے کشمی علما" تالیف عبد الحق انصاری، شائع کی۔ اس کے پیش لفظ میں دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور کے مہتمم مولانا محمد محب اللہ نوری صاحب لکھتے ہیں!

"شاہ محمد گل بڑے پائے کے عالم دین اور شیخ طریقت تھے، افسوس کہ آپ کے مفصل حالات تو کجا، تاریخ وصال تک دستیاب نہیں ہو پائی۔" (پیش لفظ، صفحہ ۲)

مولانا محمد محب اللہ نوری ابن مولانا نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمہ نے اپنے ایک خط میں مجھے لکھا کہ حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اور مولانا عبد الحکیم شرف قادری صاحب کو بھی اُن کے حالات نہیں ملے، بہ ہر حال احقر نے کوشش کر کے اُن کے حالات تلاش کر لیے، مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری، مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے شاگرد ہیں اور مولانا نعیم الدین، مولانا شاہ محمد گل کے شاگرد ہیں اور مولانا

شاہ محمد گل، شیخ محمد مکی کتمی خلوتی (متوفی ۱۳۲۳ھ) کے شاگرد ہیں۔

○ محمد عارف جامی، کراچی، پاکستان

اس وقت میرے پیش نظر سہ ماہی افکار رضا کے عیسوی سال ۲۰۰۳ء کے چار رسالے ہیں۔ اداریوں، رضا ناموں، اخبار رضا اور تبصرۂ کتب کے علاوہ ان شماروں میں کل ۳۰ مضامین شامل ہیں۔

اس سال ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا ﴿ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ﴾ کی قسط شمار ۸ و ۹ شائع ہوئیں۔ اگر یہ اقساط باقاعدگی سے شائع ہوا کرے تو جلد یہ تحقیقی مقالہ مکمل ہو جائیگا۔ ایک سال کے عرصے میں فقط دو اقساط کا ہونا باعث حیرت ہے۔

علم الفقہ کے حوالے سے اس سال دو مضامین شائع ہوئے۔ ایک جناب اصغر علی مصباحی کا ﴿دیوبندیوں کی فقہ حنفی سے جہالت﴾ اور دوسرا ﴿اصولِ افتاء میں امام احمد رضا کے افادات﴾ از آل مصطفےٰ مصباحی۔ اس حوالے سے بھی کافی تشنگی محسوس ہوتی ہے کہ مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اکثر کام علم الفقہ کا ہے مگر اس حوالے سے مضامین کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ چنانچہ امید ہے کہ آئندہ سال کے شماروں میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے فقہی کمالات کے حوالے سے زیادہ مضامین شامل ہونگے۔

تصوف کے حوالے سے ایک ہی شمارے میں دو مضامین شامل ہیں۔ ایک استاذ نوشاد عالم چشتی صاحب کا ﴿شاہ ولی اللہ اور تصوف﴾ اور دوسرا ﴿اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور روحانی اقدار﴾ بحوالہ ماہنامہ منہاج القرآن۔ ان میں سے ایک ہی مضمون اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ہے۔

اس سال افکار رضا کے شمارے نعت و شاعری کے حوالے سے مالامال ہیں اور سات مضامین شاملِ اشاعت ہیں۔ جن میں مختلف شعراء کے حوالوں سے مقالہ نگاروں نے معیاری و تحقیقی مقالے لکھے ہیں۔

پاکستان کے نوجوان محقق جناب خورشید سعیدی صاحب کے اس سال تین مضامین شائع ہوئے ہیں۔ یقیناً یہ تمام مضامین پڑھنے کے لائق ہیں اور آج کے حالات کے تناظر میں بہت اہم ہیں۔ یہ بات باعث اطمینان ہے کہ اب بھی ایسے محقق موجود ہیں جو روایتی موضوعات سے ہٹ کر نئے موضوعات پر توجہ دے رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ آئندہ سال بھی اُن کے مقالہ جات پڑھنے کو ملیں گے۔

ردّ فرقۂ باطلہ کے حوالے سے ﴿انحراف از حقیقت﴾ کے نام سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ فاضل محقق جناب غلام غوث قادری صاحب نے کافی محنت کی ہے۔ توقع ہے کہ ان کے آئندہ بھی مضامین پڑھنے کو ملیں گے۔

متفرق مضامین میں ﴿کنزالایمان کی اشاعتِ اوّل اور صدر الافاضل کی دور اندیشی﴾، ﴿امام احمد

رضا اور احترامِ سادات﴾، ﴿مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ- فاضل بریلوی﴾، ﴿سرزمین عرب پر ہیں چار سو چرچے تیرے﴾، ﴿اک پیغام مسلمانانِ ہند کے نام﴾ وغیرہ شامل ہیں۔

اس سال کئی اعلام کے حوالے سے مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا غیاث الدین، الحاج سعید نوری، صوفی عزیز احمد بریلوی، حضرت نظمی، مولانا محمد شفیع اکاڑوی، حکیم موسیٰ امرتسری، اور مفتی عبدالقیوم ہزاروی وغیرھم شامل ہیں۔

اس سال ایک شمارہ اداریہ سے خالی تھا اور دو اداریے جناب محمد زبیر قادری صاحب کے اور ایک جناب محمد منظر وسیم مصباحی صاحب کے ہیں۔ یہ اداریے پند و نصیحت سے بھرپور، عالم اسلام کی بے بسی پر کڑھن، اہل سنت کے حال زار پر فکر مندی اور مستقبل سے پُر امیدی سے لبریز ہیں۔

اس سال کے شماروں میں دلچسپ ترین اور معلوماتی مضمون ﴿روداد پاکستان ۲۰۰۱ء﴾ ہے جو مدیر افکار رضا کے سال ۲۰۰۱ء کے دورۂ پاکستان کے تفصیلی حالات پر مبنی ہے۔ اس سال اس کی پہلی قسط کا ظہور ہوا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ سال کے شماروں میں یہ سفر نامہ مکمل شائع ہوجائیگا۔ اس سفرنامے سے جہاں ہمیں پاکستان اور پاکستانیوں کے بارے میں پتہ چلتا ہے وہیں پاک و ہند کے اہل سنت کے کاموں کا تقابلی جائزہ بھی ملتا ہے۔ اس سے پاک و ہند کے اہل سنت کے کام کو کرنے والوں کو راہنمائی کے ساتھ مزید کام کرنے کا جذبہ ملتا ہے۔

گلستانِ رضا کے مہکتے ہوئے پھولوں کو سلیقے سے چننا، ان کو ایک خوبصورت گلدستے کی شکل دینا پھر اس معطر گلدستے کو جہانِ رضا کے دور و نزدیک کے رہنے والے رضا مندوں تک بروقت پہنچانا پھر اس پر کوئی صلے وستائش کی تمنا نہ کرنا اور اگلے رضوی گلدستے کی تیاری کی فکر رضا میں لگ جانا آسان کام نہیں۔ ہاں اعتراض کرنا آسان ہے لیکن کام کرنا مشکل ہے۔ فکر رضا اسے ہی ہوتی ہے جو نظرِ رضا میں بسا ہوتا ہے۔ افکار رضا کے مدیر اور کارکنان اس بے سروسامانی میں اس اعلیٰ پائے کا کام کر رہے ہیں یہ ان ہی کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے میں ان کو اور ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

○ سید منور علی شاہ بخاری، کیلی فورنیا، امریکہ

وہ بھی کیا مبارک گھڑی تھی کہ آپ سے پہلی بار فون پر گفتگو ہوئی۔ آپ سے جان پہچان پاکستان کے ماہنامہ "جہانِ رضا" سے ہوئی۔ خدا تعالیٰ حضرت قبلہ فاروقی صاحب کو لمبی عمر عطا فرمائے کہ انہوں نے اپنی کچھ کتابوں کے ساتھ آپ کے "افکار رضا" کے دو شمارے بھی ارسال کیے۔ "افکار رضا" کو ہر سُنّیوں کے دلوں پر فوقیت حاصل ہے کہ یہ اُس بزرگ ہستی کے حوالے سے شائع ہوتا ہے کہ جس کا نام ہی

عبدالمصطفیٰ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ہے۔ اور اُس بزرگ کے نام کی ہی برکت ہے کہ زبیر صاحب آپ جیسے نوجوان شخص پر اعلیٰ حضرت ﷺ کی روحانی نظر ہے کہ آپ اس مسلک پر دن رات کوشاں نظر آتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مسلکِ حق کی تبلیغ اور خدمتِ دین کے لیے لمبی ایمان والی زندگی کے ساتھ قائم و دائم اور سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین

ہم نے آپ کی تمام بھیجی ہوئی کتابیں پڑھیں، خوب پسند آئیں اور خوب اچھی لگیں۔ لیکن اُن تمام کتابوں کا مقام و مرتبہ اپنی جگہ مگر ماشاء اللہ "افکارِ رضا" کی شان اور حیثیت تو اُن سب سے اعلیٰ ہے اور خدا کرے کہ "افکارِ رضا" دن بدن عروج اور ترقی کی منزلوں گامزن رہے۔

"افکارِ رضا" میں اداریہ سے لے کر اخبارِ رضا تک بھی مضامین دلکش، روح پرور، ایمان افروز اور سود مند ہیں۔ زبیر صاحب، یہ تمام شمارے ہمارے لیے اس دیارِ غیر میں سرمایۂ حیات سے کم نہیں ہے۔ تمام شماروں کے اداریے ہم نے خاص طور سے پڑھے ہیں۔ آپ کے لکھے ہوئے اداریے بہت ہی درد مندی اور بے باکی کو ظاہر کرتے ہیں۔ بعض شماروں میں آپ کے یہ اداریے "علما اپنے ورثہ کی حفاظت کریں"، "ہماری نوجوان نسل کو بچائیے"، "اپنوں کے نام ایک پیغام"، "ضرورت ہے"، "جاگو سُنّیو! جاگو" جس دُکھ اور کرب کا اظہار کرتے ہیں اے کاش! اس کا احساس ہمارے تمام پاکستانی اور ہندوستانی علما کرام اور سُنّی قائدین میں بھی پیدا ہو جائے تاکہ جو ہمارے بھولے بھالے سُنّی بھائی بد مذہبوں کے ہاتھوں میں جا رہے ہیں وہ مزید جانے سے بچ جائیں۔ خدا جانے ہمارے سُنّی علما کرام اس بات کا احساس کیوں نہیں کرتے کہ اُن کی نااتفاقی کی وجہ سے اور صحیح طور سے تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے سُنّی عوام کو دورِ حاضر کے فرقوں میں سب سے اہم منافق اور خطرناک فرقہ وہابی تبلیغی جماعت والے اپنے ساتھ ملاتے جا رہے ہیں اور یہ بدمذہب منافق فرقہ اپنی محنت اور منافقت کے بل بوتے پر دنیا کے کونے کونے میں کیڑے مکوڑوں کی طرح پھلتے پھولتے جا رہے ہیں۔

اس کے علاوہ رسالہ کی جان "کنزالایمان کا لسانی جائزہ" ہے جو ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کی عمدہ تحقیق و تحریر ہے۔ پچھلے دو سال سے افکارِ رضا میں قسط وار شائع ہو رہی ہے۔ حضرت نے اختصار کے ساتھ بڑی جامعیت سے کنزالایمان اور دیگر تراجم کا تقابلی جائزہ لیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دوسری تحریر "رودادِ پاکستان" جس میں آپ نے سفرِ پاکستان کی تمام کیفیات، کراچی اور لاہور شہر کے حوالے سے اہلِ سنت کے اجتماعات کے حوالے سے بہت خوب صورت انداز سے بیان کردی ہیں۔ اور اس میں آپ نے اکابرِ اہلِ سنت کا تعارف بھی بڑے اچھے انداز سے کرا دیا ہے۔ ماشاء اللہ

00000

ہمارے مقاصد:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجیے۔

آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مددگار ہوگا۔